سماحۃ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمیدؒ رئیس مجلس القضاء الاعلیٰ والرئیس العام للمجمع الفقھی کی کتاب

"حکم اللحوم المستوردة وذبائح اهل الکتاب وغیرهم"

کا اردو ترجمہ المسمّٰی بہ

درآمدہ گوشت

کی

شرعی حیثیّت

(عرب وامریکہ، یورپ وافریقہ اور ہر جگہ کے مسلمانوں کیلئے)

ترجمہ

ابوعدنان محمد منیر قمر

ناشر

توحید پبلیکیشنز ، بنگلور ۰ انڈیا)

❖ نامِ کتاب — درآمدہ گوشت کی شرعی حیثیّت
❖ مصنّف — سماحۃ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمیدؒ
❖ مترجم — شیخ ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین حفظہ اللہ
❖ کمپوزنگ — ابوصفیہ شاہد ستار و زاہد محمود
❖ کور ڈیزائین
❖ طبع دوم — ۱۴۲۵ھ ، ۲۰۰۴ء
❖ تعداد
❖ ناشر — توحید پبلیکیشنز، بنگلور (انڈیا)

فہرستِ مضامین



تقدیم (طبع اوّل)

سعودی عرب کے علمی حلقوں سے واقف حضرات کے نزدیک ان کے کثیر علماء میں سے تین عالم ایسے ہیں جن کا تبحرِ علمی اور تعمّق نظری انتہائی قابلِ رشک اور مثالی ہے۔وہ نہ صرف سعودی عرب و مشرقِ وسطیٰ بلکہ پورے عالمِ اسلام میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ تشنگانِ علم و معرفت انکی علمی نگارشات سے مستفید و مستفیض ہو رہے ہیں۔مَدَّاللّٰهُ فُيُوْضَهُمْ انہی علماء افاضل میں سے ایک زیرِ نظر کتاب کے مؤلّف سماحۃ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمیدؒ ہیں جو وفات تک سعودیہ کی سپریم جسٹس کونسل کے ''چیف جسٹس'' امورِ حرمین شریفین کے رئیس اور فقہ اکیڈمی کے صدر رہے ہیں۔

انھوں نے بلادِ اسلامیہ خصوصاً خلیج عرب، یورپ و امریکہ اور افریقی ممالک بلکہ ہر جگہ کے رہنے والے مسلمانوں کو درپیش اہم مسئلہ ''درآمدہ گوشتوں کی شرعی حیثیت'' کے موضوع پر قلم اٹھایا اور شرعی دلائل' کتاب وسنت اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ مذاہبِ ائمّہ، اقوالِ علماء اور آثارِ معتمدہ کی روشنی میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ان کی یہ کتاب ''حکم اللّحوم المستوردة'' فاضل رفقاء جناب حافظ مقبول احمد صاحب (۱) (رکن سعودی اسلامک مشن برائے متحدہ عرب امارات، دبئی) اور جناب الشیخ عبداللہ قادر بخش سلفی صاحب (۲) (واعظ بوزارۃ العدل والشؤون الاسلامیۃ والاوقاف، شارجہ) جن سے مختلف خطبات و دروس کے بعد متعدد بار انہی گوشتوں کے متعلق سوال کیا جا چکا تھا، انھوں نے رغبت ظاہر کی کہ میں اس کتاب کا ترجمہ کردوں تاکہ ہمارے اردو خوان

---

(۱) موصوف وفات پا چکے ہیں۔رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَاسِعَةً

(۲) عرصہ ہوا موصوف پاکستان منتقل ہو چکے ہیں اور کئی دینی ادارے چلا رہے ہیں جنکے لیۓ انھیں بکثرت عرب ممالک آنا پڑتا ہے۔وَفَّقَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاهُ لِكُلِّ خَيْرٍ

حضرات بھی اس سے مستفید ہوسکیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ عربوں کی نسبت یہ مسئلہ ہمیں زیادہ درپیش ہے کیونکہ عرب صاحبِ ثروت ہیں اور مہنگا ہونے کے باوجود اکثر تازہ گوشت یا مچھلی کھاتے ہیں جبکہ ہماری اکثریّت کا انحصار زیادہ تر بیرونی ممالک سے امپورٹ (Import) کیئے گئے گوشتوں پر ہوتا ہے کیونکہ وہ مقامی مذبوحہ گوشت کی نسبت سستے مل جاتے ہیں۔

زمان ومکان کی اہم ضرورت اور برادر علماء کرام کی رغبت کے پیشِ نظر حکم اللحوم المستوردۃ کا ترجمہ کیا جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اسی دوران برطانیہ کے شہر برمنگھم سے شائع ہونے والے اپنے جماعتی اردو مؤقّر مجلّہ ماہنامہ ''صراطِ مستقیم'' کے مدیرِ مسئول الأخ الفاضل الشیخ محمود احمد صاحب میر پوری (۱) (ایم۔اے؛ فاضل مدینہ یونیورسٹی) کو موضوعِ تالیف کی اطلاع دی تو انہوں نے جمادیٰ الثانیہ ۱۴۰۱ھ المواقف اپریل ۱۹۸۱ء جلد۴ شمارہ ۱۰، ومابعد میں اسکے خلاصے کو قسط وار شائع کیا۔ کیونکہ گلف کی طرح ہی یورپ وغیرہ میں رہنے والے مسلمان بھی اس مسئلہ سے دوچار ہیں۔

یہاں ایک بات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو سننے میں آرہی ہے اور ایسے حالات واحکام پر کچھ لوگ کہا ہی کرتے ہیں کہ لو صاحب! فلاں چیز مباح نہیں، اُس شے کا کھانا جائز نہیں اور فلاں گوشت حلال نہیں تو پھر کھائیں کیا؟ اور جائیں کہاں؟ یہ بات شاید کچھ لوگوں کے دل لگتی ہو مگر اس سے ہزار درجہ زیادہ نہ صرف دل لگی بلکہ اللہ لگی بات یہ ہے کہ مسلمان جو حلال وحرام کی ترغیب وترہیب سے تھوڑا سا بھی واقف ہے اُس کی زندگی کا مقصد صرف یہ دن پورے کرنا نہیں کہ چاہے کسی طرح بھی پورے کرلیئے، بلکہ وہ اسلام کا ایک ذمہ دار فرد، ایک مسلمان اور مسلم وغیر مسلم کے مابین شرف وامتیاز کے پیمانوں سے واقف ہاتا ہے۔ اِس دنیا کو آخرت کی کھیتی اور زندگی کو اس میں بوبائی کا موسم سمجھتا ہے۔ وہ ممنوع اشیاء سے مکمل دست کشی تو قبول کرسکتا ہے مگر ناجائز خوش خوری بلکہ حرام خوری گوارا

(۱) موصوف بھی ایک ٹریفک حادثہ میں وفات پاچکے ہیں۔

نہیں کرتا۔اور یہ سمجھنا کہ ساری دنیا کھا رہی ہے،اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو یہ لوگ کیوں کھاتے۔بھئی یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔مسلمان کیلئے عوام کی کثرت کا قول وفعل حجت نہیں بلکہ اس کے لیئے تو صرف کتابُ اللہ اور رسولُ اللہ ﷺ کا قول وعمل ہی جواز اور عدمِ جواز کی بنیاد ہو سکتے ہیں نہ کہ عوام کی کثرت کا قول وفعل۔

حُسنِ اتفاق سے پچھلے دنوں برِّصغیر کی عظیم دانشگاہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے مدیرِ تعلیم استاذی المکرّم جناب حافظ ثناء اللہ خان صاحب (۱)(ایم۔اے، فاضل مدینہ یونیورسٹی) وزارتِ اوقاف کی دعوت پر متحدہ عرب امارات آئے تو موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس کتاب کا مسوّدہ ان کی خدمت میں پیش کیا جسے دیکھنے کے بعد عدیم الفرصتی کے باوجود انہوں نے ایک جامع ومانع مقدمہ بھی تحریر فرما دیا۔فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْراً

ناسپاسی ہوگی اگر اپنے مخلص بزرگ الشیخ محمد صالح الکندی (موظّف الشؤون الاسلامیۃ بوزارۃ الدفاع و مدیر مکتبہ و دارالمطالعہ الاسلامیہ۔شارجہ) کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت وغیرہ کے تمام اخراجات کا انتظام کیا۔ (۲)

اَللّٰهَ أَسْئَلُ أَنْ يُّوَفِّقَنَا لِمَا فِيْهِ الْخَيْرُ، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

متحدہ عرب امارات	محمد منیر قمر سیالکوٹی
۲۹ جمادیٰ الثانیہ ۱۴۰۱ھ	ترجمان ام القیوین کورٹ
۳ مئی ۱۹۸۱ء	پوسٹ بکس نمبر: ۳۰

(۱) عرصہ ہوا ہے کہ موصوف جامعہ فیصل آباد سے جامعہ لاہور الاسلامیہ میں منتقل ہو چکے ہیں۔

(۲) اسی مقدمۂ طبع اوّل کو کافی سمجھتے ہوئے اس سلسلہ میں نئے سرے سے لکھنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی بلکہ یہی مقدمۂ طبع دوم بھی ہے۔

الخبر۔سعودی عرب	ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین
۱۴/شوال ۱۴۲۴ھ	ترجمان سپریم کورٹ الخبر وداعیہ متعاون
۷/دسمبر ۲۰۰۳ء	مراکز دعوت وارشاد،الدمام،الخبر،الظہران



مقدّمہ

فضیلۃ الشیخ الحافظ ابونصر ثناءاللہ خان صاحب
ایم۔اے (پنجاب) فاضل مدینہ یونیورسٹی مدیرالتعلیم جامعہ سلفیہ فیصل آباد
(حالیہ شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اسلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے بنی نوعِ انسان کیلئے آخری پیغامِ ہدایت ہے اس لیئے اس کے جملہ قوانین اور قواعد وضوابط بھی دائمی ہیں۔ انسانیت کی فلاح و بہبود اُن کی پابندی میں مضمر ہے اور اسی کے سبب ہی ہر فرد دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ○﴾ (آل عمران:۸۵)

”جس نے اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو پسند کیا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔“

شرعِ متین میں حلّت وحُرمت کا مسئلہ بنیادی واصولی مسائل میں شمار ہوتا ہے جسے کتاب وسنت میں مکمل شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ المائدۃ، سورۃ

الانعام اور **سورۃ النحل** وغیرہ میں زیر بحث مسئلہ کو متعدد آیات میں کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور کُتبِ حدیث میں بے شمار روایات و آثار ہیں جن میں حلّت وحُرمت کے مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ موضوعِ ہٰذا کی اہمیّت کے پیشِ نظر ائمہ حدیث نے عموماً اور آئمہ اصولِ ستّہ نے بالخصوص اپنی اپنی تصانیفِ لطیفہ میں ان مسائل پر باقاعدہ کُتب اور تراجم وابواب وغیرہ قائم کیئے تاکہ مسائل کی حیثیّتِ اصلیہ مکمل طور پر سامنے آسکے اور اس پر مستزاد یہ کہ فقہاء امت نے بھی اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں چھوڑی بلکہ اس کی تمام جزئیات کا احاطہ کرنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی کتابوں میں سے المغنی لابن قدامہ، شرح المہذّب، فتح القدیر اور المدوّنہ سرِ فہرست ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ میں اکلِ حلال کی نہ صرف ترغیب دلائی گئی ہے بلکہ عدمِ اہتمام کی صورت میں سخت وعید بھی سنائی گئی ہے۔ جان بوجھ کر اکلِ حرام کا ارتکاب کرنے والوں کے لیئے نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ غُذِّيَ بِالْحَرَامِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ))

''جس نے حرام کی غذا سے نشو ونما پائی، اس پر اللہ نے جنّت حرام کر دی ہے۔''

اسی بناء پر بنی نوعِ انسان کے مختلف طبقات کو علیحدہ علیحدہ اکلِ حلال کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یوں راہنمائی فرمائی گئی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝﴾ (سورۃ المؤمنون:٥١)

''اے رسولو! حلال وطیّب اشیاء سے کھاؤ اور عملِ صالح کرو۔ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو تمہارے اُن اعمال کو اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے۔''

اور مؤمن مسلمانوں کو حکم ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوا اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝﴾

(سورة البقرة:۱۷۲)

''اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی حلال و پاکیزہ اشیاء میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم خاص اُسی ہی کی عبادت کرتے ہو۔''

اور بالعموم سب انسانوں کو حکم ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّباً﴾

(سورة البقرة:۱٦۸)

''اے لوگو! زمین کی حلال و پاکیزہ اشیاء کھاؤ''

نبی اکرم ﷺ نے اس حقیقت کی وضاحت کے لیئے یوں مثال دی ہے کہ ایک شخص پراگندہ حالت اور بکھرے ہوئے بالوں والا پریشانی کے عالَم میں خالقِ کائنات کو پکارتا ہے: يَا رَبِّ يَارَبِّ ۔جبکہ

((مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِّيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لَهٗ)) (صحيح مسلم)

''اس کا کھانا، پینا اور پہننا مالِ حرام سے ہے۔اُس کی دعاء کیسے قبول ہو؟''

افعالِ مکتسبہ کا اثر انسان کے ظاہر اور باطن پر پڑتا ہے۔ اسی بناء پر رِبوی (سُودی) معاملات کرنے والے کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (سورة البقرة:۲۷۵)

''جولوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان آسیب سے باولا کرتا ہے۔''

اور ایک حدیث میں ہے:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَال: هُمْ سَوَاءٌ)) (صحيح مسلم)

''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔''

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے بارہ درہم کا کپڑا خریدا جن میں سے ایک درہم بھی حرام کا ہے تو اُس شخص کی عبادت قبول نہیں ہوتی؟

اسلام نے طہارت اور ورع وتقویٰ کا اس حد تک حکم دیا ہے کہ مشتبہ اشیاء تک سے بھی اجتناب کی تاکید کی ہے تاکہ مسلمان کا ظاہر و باطن مکمل طور پر صاف شفاف شیشے کے سانچے میں ڈھل جائے۔ صحیح حدیث میں ہے:

((مَنِ اتَّقٰى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَلِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ))

(متّفق عليه)

''جو شبہات سے بچا، اس نے اپنے دین وعزت کو آلودگی سے بری کرلیا۔''

دوسری روایت میں ہے:

((دَعْ مَايُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ))

(نسائی، ترمذی۔ حدیث "صحیح")

''مشکوک چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک چیز کو اپناؤ۔''

اصحابِ ذوق، اہلِ تجربہ اور حکماء کے ہاں معروف ہے کہ آدمی جس نوع کا

گوشت استعمال کرتا ہے طبیعتِ انسانی بھی عادات وخصائل کے اعتبار سے ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ اِسی بناء پر مشہور ہے کی خنزیر کا گوشت کھانے سے بے حیائی جنم لیتی ہے۔ وہ اس لیئے کہ اس کی جبِلّت میں یہ خصلتِ بد موجود ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس کا گوشت کھانے والی اقوام میں بے حیائی کا عُنصر موجود ہے۔

دمِ مسفوح (بہہ جانے والے خون) کے بارے میں کہا گیا ہے کی جانور سے عدمِ اخراج کی صورت میں کئی قسم کے امراض کا سبب بنتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بعض وہ جانور جن میں دمِ مسفوح مفقود ہے انہیں بلا ذبح حلال قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے:

((اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ فَاَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْجُرَادُ وَالْحُوْتُ وَاَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ)) (حديث)

''ہمارے لیئے دو مُردے اور دو خون حلال کیئے گئے ہیں۔ مُردے: ٹڈی اور مچھلی ہیں اور خون: کلیجی اور تلی ہیں۔''

اس طرح کی حکمتوں اور مصالح کے ادراک کے لیئے **حیاۃ الحیوان** اور **حُجّۃ اللہ البالغہ** کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔

دوسری جانب انتہائی پریشان کُن اور تکلیف دہ حقیقت یہ ہے کہ بلادِ اسلامیہ میں بالعموم اور عرب میں بالخصوص گوشت اور مذبوحہ جانور جو بیرونی ممالک سے درآمد کیئے جاتے ہیں، اُن کا اکثر و بیشتر حصہ بلادِ کُفر اشتراکی اور کیمونسٹ ممالک سے منگوایا جاتا ہے جن کے بارے میں یہ تامّل کرنا بھی قرینِ قیاس نہیں کہ وہ اسلامی شریعت کے مطابق جانوروں کو ذبح کرتے ہوں گے، جبکہ ان کے اساسی عقائد اور بنیادی نظریات ہی غیر اسلامی ہیں۔

کل ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ کے روزنامہ **الفجر**، جو متحدہ عرب امارات سے

شائع ہوتا ہے، اس میں خبر آئی ہے کہ راُس الخیمہ میں اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ فرانس سے آنے والی مرغیاں بلا ذبح ہیں۔ اسی طرح روزنامہ **الخلیج** کی خبر ہے کہ **العین (ابوظھبی)** میں ایک شخص نے مرغیوں کا کارٹون کھولا ہے تو اس میں سے ایک مرغی بلا ذبح مردہ نکلی جبکہ کارٹونوں پر **مَذْبُوحَةٌ عَلىٰ طَرِيْقَةِ الشَّرِيْعَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ** بھی لکھا ہوتا ہے جو صرف دھوکہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلامی حکومتوں کو چاہیئے کہ بلادِ کفر سے ذبیحوں کی درآمد سے احتراز کریں اور اپنے ہاں افزائشِ نسل کے معقول انتظامات کریں، جبکہ ربِّ کریم نے انہیں اپنی رحمت سے مادی وسائل سے بھی خوب نوازا ہوا ہے، اُن کو بروئے کار لائیں۔

درآمدہ ذبیحوں کے متعلق سماحۃ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمید رحمہٗ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''**حکم اللّحوم المستوردة**'' میں تمام شقّوں پر خوب سیر حاصل بحث کی ہے۔ مَیں تفصیل اُنہی پر چھوڑتا ہوں۔ امید ہے کہ قارئین اس میں اپنے کافی شکوک وشبہات کا ازالہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے تلمیذِ رشید محمد منیر قمر ترجمان ام القیوین کورٹ کو جس نے کتابِ ہٰذا کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے تا کہ اردو خوان حضرات بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ / الراقم

ثناء اللہ عیسیٰ خاں

مدرّس جامعہ سلفیہ، فیصل آباد، پاکستان، حال وارد الشارقہ

تحریراً فی ۲۷/۴/۱۴۰۱ھ (حالیاً شیخ الحدیث جامعۃ لاہور الاسلامیہ)



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ' اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ' مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ اِلٰهُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ وَقَیُّوْمُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِیْنَ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ وَحُجَّةً عَلٰی الْعِبَادِ اَجْمَعِیْنَ اَلْمَخْصُوْصَ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ وَسَمَاحَةِ الدِّیْنِ،صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَائِرِ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَآلِ کُلٍّ وَسَائِرِ الصَّالِحِیْنَ.اَمَّا بَعْدُ:

تمہید:

میں نے اِس مختصر کتابچہ میں قطر کے رئیس المحاکم الشرعیہ والشئون الدینیّہ الشیخ عبداللہ بن زید بن محمود کے رسالہ میں پائی جانے والی بعض اخطاء واغلاط کا نوٹس لیا ہے۔ بلاشبہ ہر کسی کا مقصود دلیل کی رُو سے حقیقت کی تہہ کو پہنچنا ہے۔شیخ ابن محمود نے ایک رسالہ لکھاہے جس کا نام تو ''**فصل الخطاب فی اباحة ذبائح اهل الکتاب**'' رکھا ہے لیکن اس میں صرف اہل کتاب کے ذبائح کو مباح کہنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اشترا کیوں (Communists) مرتدّوں (Apostates) مشرکوں(Polytheists) بُت پرستوں (Idolaters) اورایسی ہی دیگر کافر اقوام تک تجاوز کر گئے ہیں۔

مسلمان کے ذبیحہ پر گفتگو کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے ثابت ہو کہ ذبح کا انحصار و اقتصار حلق اور رگ کاٹنے پر ہی ہے جیسا کہ فقہاء نے یہ شرط عائد کی ہے، بلکہ یہ تو ایک عادت تھی جو زمانۂ جاہلیّت اور اسلام میں چل نکلی''۔

ایسی ہی دیگر کئی باتیں کہی ہیں، جن کا مفصّل تذکرہ آگے آرہا ہے۔ اِنْ شآء اللہ تعالیٰ۔ شیخ ابن محمود نے اپنے رسالہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''بیشک اس رسالہ میں ایسے فقہی حقائق و دقائق ہیں جو آپ کو کسی دوسری کتاب میں سے نہیں ملیں گے، مگر یہ وسیع علم، گہرے مطالعہ اور فقہائے مذاہب کی قیود سے آزادی کے مرہون منّت ہیں''

اس جملہ میں علمی وُسعت اور فقہی بصیرت جیسی خودستائشی پر دلالت کرنے والی عبارت سے قطع نظر دوسری کئی باتیں محلِّ نظر ہیں۔ سچ ہی تو فرمایا ہے کہ اس رسالہ میں ذبح کا حلق ورَگ کاٹنے پر مشروط نہ ہونا اور بے دین لوگوں کے ذبح کردہ گوشت کا مباح ہونا اور ایسی ہی جو دوسری باتیں موجود ہیں یہ آپ کو اس رسالہ کے علاوہ کہیں سے نہ ملیں گی۔ کیونکہ ابن محمود کے قائم کردہ اس میزان کے خلاف تمام مسلمانوں کا اتفاق واجماع ہے جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ اِنْ شآءاللہ

انہوں نے ''فقہائے مذاہب کی قیود سے آزادی'' کے متعلق جو کہا ہے، کیا اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ فقہائے مذاہب راہ ہدایت پر نہ تھے؟ حالانکہ آج تک مسلمان ان سے نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور جب ان کا کلام کتاب وسنت کے شرعی دلائل سے تائید یافتہ ہوتو اسے حُجّت مانتے چلے آرہے ہیں۔ کیونکہ فقہاء نے ہمارے لیۓ فقہ السنہّ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ دلائلِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ سے احکام کا استنباط کیا ہے اور نصوص کی مدد سے احتیاط واحتراز اور حدود وقیود کی تعیین کی ہے۔

پھر انہوں نے اپنے ہی قول ''فقہائے مذاہب کی قیود سے آزادی'' کے ساتھ بھی وفا نہیں کی بلکہ امام ابن العربی مالکی سے بلا دلیل نقل کیا ہے اور صاحب المنار (علاّمہ محمد رشید رضا) کی تفسیر وفتاویٰ سے اور دیگر کئی افراد سے نقل کیا ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔

ص ۷ پر مُر دار، خون، خنزیر کے گوشت، غیرُ اللہ کے نام ذبح کیئے گئے جانور، گلا گُھٹنے، اور چوٹ لگنے سے مرنے والے جانور کی حُرمت پر دلالت کرنے والی آیت کا ﴿اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ﴾ تک ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

''تمام نوعِ بشر کے لیئے یہ عام خطابِ الٰہی ہے، چاہے وہ کسی بھی نام سے پہچانے جاتے ہوں، اور اُن کے ہاں جانوروں کو ذبح کرنے کا طریقہ چاہے جو بھی ہو، جبکہ ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جو ذبح کو حلق ورَگ کاٹنے پر مشروط و مُنحصر قرار دے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے شرط عائد کی ہے۔ سوائے اس کے کہ زمانۂ جاہلیّت اور اسلام میں یہ صرف ایک عادت بن گئی تھی''۔

وہ مزید کہتے ہیں:

''ذبح کی یہ کیفیت کھال کے صحیح وسالم بچ جانے اور محفوظ رہنے کے لیئے نہایت مناسب ہے، جبکہ اُن کے ہاں کھال کی بڑی قیمت و اہمیّت ہوتی تھی یہاں تک کہ وہ مُردہ جانوروں کی کھالیں بھی اتار لیتے اور ان سے انتفاع کرتے تھے''۔

شیخ ابن محمود کا کہنا ہے کہ ذبح کیلیئے حلق ورَگ کو کاٹنا ایک عادت کے سوا کچھ نہیں، جس پر زمانۂ جاہلیّت اور عہدِ اسلام میں لوگ چل نکلے، اور ذبح کے حلق ورَگ کاٹنے پر مُنحصر ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس طرح گویا جانور کا سر پھوڑ کر یا پیٹ پھاڑ کر کسی بھی طریقہ سے اُسے ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت کھانا جائز ہوگا۔ شائد ان کی نظر میں یہی وہ ''فقہی دقائق'' ہیں جنہیں آپ اُن کے رسالہ کے علاوہ کہیں نہ پائیں گے۔ بلا شبہ یہ بات قرآن وسُنّت اور اجماعِ امت کے خلاف ہے۔

ذبح ☆ قرآنِ کریم کی رُو سے

قرآن پاک میں فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ...﴾ ''مگر وہ جسے تم نے پاک کرلیا''۔ جب مطلقاً التذکیة کہا گیا ہو تو یہ حلق اور رگ کاٹنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ حلق کے دائیں بائیں موجود دونوں رگوں کو کاٹنا بھی شاملِ ذبح ہے جیسا کہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے۔

معروف مُفسّرِ قرآن امام قرطبی نے کہا ہے: ''کلامِ عرب میں بقولِ قطرب الذَّكَاةُ (اَیْ التَّذْكِيَةُ) ذبح کرنے کو کہا جاتا ہے اور لغت میں الذَّكَاةُ کا اصل تمام و کمال ہے۔ عمر کا تمام اسی سے ہے اور عمرِ تمام و کمال کو پہنچا ہوا گھوڑا (اَلْفَرَسُ الْمُذَكّیٰ) اُس وقت ہوتا ہے جب وہ پنجسالہ ہو جائے۔ یہ عمر اس کی قوت کی تکمیل کے لیئے بدرجۂ کمال ہوتی ہے۔ گویا ذَكَّيْتُمْ کا معنیٰ یہ ہوا کہ جسے تم مکمل ذبح کرلو۔ ذَكَّيْتُ الذَّبِيحَةَ أُذَكِّيهَا ، یہ التَّطَيُّب سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے: (رَائِحَةٌ ذَكِيَّةٌ) ''تیز پھیلنے اور منتشر ہونے والی خوشبو''۔ جب جانور کا خون بہہ جائے تو وہ عمدہ و خوشبودار ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جلد سمٹنا، سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔

محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

((ذَكَاةُ الْاَرْضِ يُبْسُهَا))

''زمین کی طہارت و پاکیزگی اُس کا خشک ہو جانا ہے۔''

ان کی مراد نجاست سے زمین کی طہارت ہے۔ پس مذبوح جانور میں ذکاۃ اس کی تطہیر اور کھانے کے لیئے اباحت ہے۔ نجاست پڑنے کے بعد زمین کے خشک ہو جانے کو اس کی تطہیر قرار دیا گیا ہے اور وہاں نماز پڑھنے کی اباحت، ذبیحہ کے لیئے ذبح کی ہی طرح

ہے، اور یہ اہلِ عراق کا قول ہے۔

جب یہ بات طے ہوگئی تو یاد رکھیے کہ شرعی اعتبار سے ''کسی جانور کا خون بہانے، مذبوح کی رَگیں کاٹنے، منحور کے نحر کرنے اور غیر مقدور علیہ (بس سے باہر جانور) کی کھونچیں کاٹنے کا نام ذبح ہے۔'' جبکہ نیت میں اللہ تعالیٰ کا قصد ہو اور اس کا نام بھی لیا (بِسۡمِ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کہا) جائے''۔

ذبح ☆ سنّتِ رسول ﷺ کے آئینہ میں

کُتبِ حدیث میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

((مَا اَنۡہَرَ الدَّمَ وَذُکِرَاسۡمُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ فَکُلۡ، لَیۡسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ)) (متّفق علیہ، صحیح بخاری:۲٤۸۸)

''جس کا خون بہا دیا گیا اور اُس پر اللہ کا نام بھی لیا گیا ہو اُسے کھاؤ دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرو۔''

نبی ﷺ کے فرمان ((مَا اَنۡہَرَ الدَّمَ ...)) سے وہ ذبیحہ مراد ہے جس کا خون بہہ گیا اور کافی مقدار میں بہا۔ اس خون کے بہنے کو نہر میں پانی کے چلنے سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اور خون کا اس طرح بہنا حلق و رَگ کاٹنے اور اونٹ کو نحر کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔ اور نحر کا مطلب سینے اور گردن کے درمیانی چھوٹے سے گڑھے میں نیزہ مارنا ہے۔ امام دارقطنی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے جسمیں مذکور ہے:

((بَعَثَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ بُدَیۡلَ بۡنَ وَرۡقَاءَ الۡخُزَاعِیَّ عَلٰی جَمَلٍ اَوۡرَق یَصِیۡحُ فِیۡ فِجَاجِ مِنیٰ اَلَآ اِنَّ الذَّکَاۃَ فِی الۡحَلۡقِ وَاللَّبَّۃِ))

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت بُدیل بن ورقاء خزاعی کو خاکستری اونٹ پر بھیجا جو وادیٔ منیٰ میں بآوازِ بلند یہ اعلان کر رہے تھے کہ خبردار! ذبح کا تعلق حلق اور لَبّہ (جائے نحر) سے ہے۔''

یہ حدیث جانور کے محلِ ذبح اور موضعِ نحر کی تعیین پر صریح دلیل ہے۔اس کی تائید **المعجم الاوسط للطبرانی** کی وہ حدیث کرتی ہے جس میں حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذْبَحُوْابِکُلِّ شَیْءٍ فَرَیٰ اَوْدَاجٍ مَا خَلَاالسِّنِّ وَالظُّفُرِ))

''دانت اور ناخن کے علاوہ کسی بھی چیز کے ساتھ رگیں کاٹ کر ذبح کرو۔''

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

((نَھیٰ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ شَرِیْطَۃِ الشَّیْطَانِ وَھِیَ الَّتِیْ تُذْبَحُ فَیُقْطَعُ الْجِلْدُ وَلَا تُفْرَیٰ الْاَوْدَاجُ ثُمَّ تُتْرَکُ حَتّٰی تَمُوْتَ)) (ابوداؤد)

''رسول اللہ ﷺ نے ''شریطۂ شیطان'' سے منع فرمایا۔اور ''شریطۂ شیطان'' یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کے لیئے اسکی رگیں نہ کاٹی جائیں بلکہ صرف کھال کاٹ کر اسے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کے وہ مرجائے۔''

امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک حدیث بیان کی ہے جسمیں ہے:

((اِذَااُھْرِیْقَ الدَّمُ وَقُطِعَ الْوُدْجُ فَکُلْہُ))

''جب جانور کا خون بہہ جائے اور اس کی رَگ کٹ گئی ہو تو اسے کھاؤ۔''

اس کی سند جیّد ہے۔اور امام مالک مؤطا میں یہ حدیث لائے ہیں کہ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((مَافُرِيَ الْاَوْدَاجُ فَكُلْهُ))

''جس کی رگیں کٹ گئی ہوں، اسے کھاؤ۔''

اَلْوَدْجَانُ سے مراد وہ دو رَگیں ہیں جو حلق کے ساتھ ہوتی (اور غصّے کے وقت پُھول جاتی) ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔''ذبح کا تعلق حلق اور لَبہّ سے ہے۔''

حضرت ابن عباس، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم کا کہنا ہے:''اگر حلق سے ذبح کی ابتداء کی ہو اور اتفاقیہ طور پر سر تن سے جدا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں عمداً ایسا نہ کیا جائے۔اگر عمداً حلق کی بجائے گُدی کی طرف سے ذبح کیا گیا ہو تو اس کا گوشت نہیں کھایا جائے گا چاہے سر کٹ گیا ہو یا ساتھ ہی رہا ہو''۔مختصراً(بخاری فی باب النّحر و الذّبح، رزین)

یہ اس وقت تک ہے کہ جانور کے زندہ ہوتے ہوئے حلق ورَگ تک نہ پہنچ جائے۔اگر حلق ورَگ تک پہنچ گیا اور جانور کی موت سے پہلے پہلے انہیں کاٹ دیا تو اس کا کھانا مباح ہے جیسا کہ اہل علم نے طے فرمایا ہے۔

گزشتہ سطور سے ثابت ہوا کہ ذبح کا اعتبار وانحصار بعض امور پر ہے اور اُن امور کی بجا آوری کے بغیر جانور کا گوشت حلال نہیں ہوتا۔اس پر نسائی و دارمی کی حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَاتَحِلُّ الْمُجَثَّمَةُ))

''مجثّمہ (باندھ کر تیر سے مارے گئے جانور) کا گوشت حلال نہیں۔''

اور انہی دونوں کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((نَهىٰ رَسُوْلُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْمُجَثَّمَةِ))

''رسول اللہ ﷺ نے مجثّمہ (کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیراندازی کرنے) سے منع فرمایا ہے۔''

امام ترمذی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اس طرح حدیث بیان کی ہے:

((نَهىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ اَكْلِ الْمُجَثَّمَةِ وَهِيَ الَّتِيْ تُصْبَرُ لِلنَّبْلِ))

''رسول اللہ ﷺ نے مجثّمہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ اور مجثّمہ اُس جانور کو کہا جاتا ہے جسے باندھ کر تیر وغیرہ مار کر چھوڑ دیا جائے۔ (یہاں تک کہ وہ سِسک سِسک کر مر جائے)۔''

یہ حدیث ایسے جانور کا گوشت حرام ہونے کی صریح دلیل ہے۔ کیونکہ اُس میں ذبح کی شرائط پوری نہیں کی گئیں۔ بلکہ ان کے بغیر ہی اُس کی موت واقع ہوگئی ہے۔

ذبح ۔۔اجماعِ امّت کی نظر میں

تمام علماء امت کا اس بات پر کُلّی اتفاق ہے کہ مَحَلِّ ذبح حلق اور لَبّہ ہے اور اس کے علاوہ دوسری کسی جگہ سے ذبح کرنا جائز نہیں۔

❶ امام ابن قدامہؒ:

المغنی میں امام ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ محلِّ ذبح حلق اور لَبّہ ہے اور لَبّہ وہ چھوٹا سا گڑھا ہے جو سینے اور گردن کے وسط میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی جگہ سے ذبح کرنا

بالا جماع ناجائز ہے اور مغنی المحتاج میں کہا ہے: ماکول اللحم برّی جانور جو پالتو ہو یا غیر مانوس وحشی، اُس کے گوشت کو حلال اور کھانے کے قابل بنانے والے ذبح کے دو ہی طریقے ہیں:

اوّل: اگر اُسے قابو کیا جاسکتا ہے تو اسے حلق ولَبہّ سے ذبح کیا جائے گا اور اس پر اجماعِ امت ہے۔

دوم: اگر وہ غیر مانوس و بے قابو جانور ہے تو جان نکال دینے کی حد تک اس کی کھونچیں کاٹ دی جائیں گی جبکہ کھونچیں کاٹنا بھی ذبح ہی ہے۔

❷ امام قرطبیؒ :

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ امام مالک اور علماء کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ حلق اور رگوں کو کاٹنے کے علاوہ دوسرے کسی طریقہ سے ذبح صحیح نہیں ہے۔ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ذبح کے لیئے حلق اور رگ کا کاٹنا صحیح ہے اور دوسری دونوں رگوں کو کاٹنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ تو صرف گھاس پانی کے لیئے راستہ ہیں۔ اُن پر زندگی کا انحصار نہیں ہوتا جبکہ ذبح سے جانور کی موت کی غرض ہوتی ہے۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حلق اور گلے کے درمیانی حصہ میں جہاں سے بھی ذبح کیا جائے اس سے ذبح کا اہتمام ہو جائے گا۔ نبی ﷺ نے حلق سے ذبح کیا اور لَبہّ میں نحر کیا اور فرمایا کہ ''ذبح، حلق ولَبہّ میں ہے''۔ اس طرح آپ ﷺ نے ذبح کی جگہ بیان فرما دی اور اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا اَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلْ))

''جس کا خون بہہ جائے اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا گیا ہو اُسے کھاؤ۔''

مذکورہ بالا کلام سے واضح ہوا کہ کتاب وسنت اور اجماعِ امت نے ذبح کو حلق ولَبہّ پر مشروط قرار دیا ہے اور شیخ ابن محمود کا ذبح کی جگہ کے غیر معیّن اور غیر مشروط ہونے کا زعم

لا اصل و بے بنیاد ہے کیونکہ تمام متقدّمین و متاخرین مسلمانوں کا جانور کو ذبح کرنے کے لیئے خاص جگہ کے معیّن ہونے پر اجماع ہے اور اگر مقررہ جگہ کے علاوہ کہیں سے ذبح کیا گیا ہوتو وہ مُردار ہے، اس کے حرام ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

حکمتِ تخصیصِ مقامِ ذبح:

ذبح کو اس مقررہ جگہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ یہ جگہ خون کی تمام رگوں اور نالیوں کا جنکشن ہے اور یہاں سے ذبح کرنے پر فوراً تمام خون بہہ جاتا ہے اور جلد جان نکل جاتی ہے۔ جس سے جانور کے لیئے موت آسان ہو جاتی ہے اور اس کے گوشت کا ذائقہ بھی بہت عمدہ ہو جاتا ہے۔ شیخ ابن محمود کا کہنا ہے:

''ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جو ذبح کو حلق ورَگ کے کاٹنے پر منحصر قرار دے''۔

مگر انہوں نے قرآن وسنت سے ایسا کوئی حوالہ نقل کیوں نہیں کیا؟ جو اُن کے اس قول کی تائید کرتا، یا کسی صحابی، تابعی یا علماء اسلام میں سے کسی عالم کا قول ہی نقل کر دیا ہوتا۔ لیکن انہیں ملتا کہاں سے؟ یہ تو ان کی اپنی رائے اور عندیہ ہے۔ **وَفَّقَهُ اللّٰهُ**۔ اور یہ بات بھی ان کے اُن ''فقہی دقائق'' سے ہے جن کی طرف انہوں نے اپنے رسالہ کے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے۔ کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے دلائل سے آپ کو یہ تو معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ جانور کے ذبح کے لیئے معیّن و مخصوص جگہ مقرر ہے۔ اُن کا کہنا ہے:

''کیونکہ یہ کیفیّتِ ذبح کھال کے صحیح سلامت بچانے کے لیئے مناسب تھی جبکہ کھال کی اُن کے زمانے میں بڑی قدر و قیمت ہوتی تھی، یہاں تک کہ وہ مُردہ جانوروں کی کھالیں بھی اتار لیتے اور اُن سے انتفاع واستفادہ کرتے تھے''۔

یہ تعلیل اُن کے ایسے جانوروں کو ذبح کرنے سے قطعاً بے اثر ہو جاتی ہے جن کی

کھالوں سے وہ انتفاع نہیں کیا کرتے تھے، مثلاً مرغی، پرندے اور ایسے ہی دیگر جانور۔ ایسے جانوروں کو بھی وہ حلق سے ہی ذبح کیا کرتے تھے حالانکہ ان کی کھال ہی ایسی نہیں ہوتی کہ جس سے انتفاع ممکن ہو۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے یہ دلایل و تعلیل دیکھنے سننے میں نہیں آئی۔

اپنے رسالۂ مذکورہ کے ص ۸ پر انھوں نے لکھا ہے:

> ''اہلِ کتاب کا ذبح، چاہے کسی طرح بھی وہ ذبح کرتے ہوں اور ایسے ہی اُن کے ذبائح، ﴿اِلَّا مَـا ذَكَّيْتُـمْ﴾ ''سوائے اُس کے جسے تم نے ذبح کرلیا''۔ اور ﴿وَطَـعَـامُ الَّـذِيْـنَ اُوْتُـوا الْكِتَـابَ حِـلٌّ لَّكُمْ﴾ ''اور اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لیئے حلال ہے''۔ کے عموم میں داخل ہیں۔''

یہ بات بھی اُن کے گذشتہ نظریہ ''ذبح کے کسی خاص جگہ یعنی حلق و رَگ سے مشروط نہ ہونے'' کی طرح ہی ہے کہ اہلِ کتاب نے کسی بھی طرح ذبح کیا ہو، چاہے اس کا سر پھوڑا ہو یا پیٹ پھاڑا ہو وہ ﴿اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ اور ﴿وَطَـعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِـلٌّ لَّـكُـمْ﴾ کے عموم میں داخل ہونے کی وجہ سے مباح ہے۔ یہ تو ظاہر و بیّن خطا ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ گزر گیا ہے۔ اور آیتِ حلّت ﴿وَطَـعَـامُ الَّـذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ (۱) کے عموم سے آیتِ حُرمت ﴿حُـرِّمَـتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْـخِـنْـزِيْـرِ وَمَـا اُهِـلَّ لِـغَيْـرِ الـلّٰـهِ بِـهٖ وَالْـمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

(۱) ترجمہ: ''اور اہلِ کتاب کا طعام (کھانا) تمہارے لیئے حلال ہے۔'' (المائدہ:۵)

وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ۔ ﴾(۱) مخصوص ہے۔(۲) ایسے جانور جنہیں اہلِ کتاب نے مذکورہ غیر شرعی طریقوں سے ذبح کیا ہو وہ ﴿اَلْمُنْخَنِقَةُ﴾ ''گلا گُھٹ جانے سے مرنے والے'' اور ﴿اَلْمَوْقُوْذَةُ﴾ ''شدید چوٹ سے مرنے والے'' میں داخل ہیں۔

اور جس نظریہ کو انہوں نے اختیار کیا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں دی اور نہ ہی کسی صاحبِ علم سے کوئی ثبوت نقل کیا ہے۔ دراصل یہ ان کا ذاتی نظریہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ماکول اللحم جانور کے مباح ہونے میں ذبح کے وقت حلق و رگ کا کاٹنا کوئی شرط نہیں، حالانکہ اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ جانور پر قابو وقدرت ہونے کے باوجود اگر اُسے شرعی طریقۂ ذبح کے علاوہ کسی طرح قتل کیا گیا تو وہ منخنقہ (گلا گھٹ کر مرنے والے)، موقوذۃ (چوٹ لگ کر مرنے والے) یا اس آیت میں مذکور ایسی ہی کسی قسم میں شمار ہوگا۔

ارشادِ الٰہی ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوالْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ سے یہ تو ہرگز مراد نہیں کہ اہلِ کتاب کے کسی بھی طریقہ سے قتل کیئے ہوئے جانور کا گوشت مباح وحلال ہے بلکہ اس میں بھی ذبح کے وقت حلق ورَگ کاٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

(۱) ترجمہ: ''تم پر حرام ہیں: مُردار، خون، خنزیر کا گوشت، غیرُ اللہ کے نام ذبح کیئے گئے، گلا گُھٹنے سے مرنے والے، شدید چوٹ سے مرنے والے، بلندی سے گر کر مرنے والے، سینگ سے مرنے والے اور جسے درندہ چیر پھاڑ جائے، سوائے اُس کے جسے تم نے ذبح کر لیا اور (وہ بھی حرام ہے) جو تھانوں (مزاروں) پر ذبح کیا گیا ہو۔'' (المائدہ:۳)

(۲) پہلی آیت میں عموم ہے کہ اہلِ کتاب کے طعام کو مطلقاً حلال قرار دیا ہے۔ اور دوسری آیت میں پہلی آیت کے عموم سے چند چیزوں کے نام لے کر انہیں خاص کر دیا ہے کہ یہ مذکورہ چیزیں حرام ہیں۔ (قمر)

((مَااَنۡهَرَالدَّمَ وَذُكِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ فَكُلۡ))

''جس کا خون بہادیا گیااوراس پراللہ کا نام بھی لیا گیاہو،اس کا گوشت کھاؤ۔''

جب ایک مسلمان کا وہ ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے جس کا حلق اور رگ نہ کاٹے گئے ہوں، تو اہلِ کتاب کا ایسا ذبیحہ بطریقِ اَولیٰ حرام ہوگا۔

ایک غلط فہمی:

مذکورہ بالا ص ۸ پرہی لکھا ہے:

''ہر ذبیحہ جانور ہو یا مرغی جو عوام کے لیئے بیرونی ممالک سے درآمد (Import) کیئے جاتے ہیں جبکہ وہ مجہول الحال ہوتے ہیں اور اُن کے ذبح کرنے والوں اور طریقۂ ذبح کا کوئی علم نہیں، وہ صحیح بخاری کی اُس حدیث کے عموم میں داخل ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:

((يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ! اِنَّ قَوۡماً حَدِيۡثُوا عَهۡدٍبِجَاهِلِيَّةٍ يَاۡ تُوۡنَنَا بِاللَّحۡمِ لَانَدۡرِىۡ اَذۡكَرُوۡا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ اَمۡ لَا؟قَالَ: سَمُّوۡااللّٰهَ اَنۡتُمۡ وَكُلُوۡا)) (بخاری ج ۲/ص ۸۲۵)

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایک قوم کے لوگ عہد جاہلیت سے نکل کر نئے نئے اسلام لائے ہیں، وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہوتا ہے یا نہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھاؤ۔''

اس واقعہ کی بناء پر اُن کی رائے ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا صرف مسلمانوں پر ہی واجب ہے، دوسروں پر نہیں۔

اس غلط فہمی کا ازالہ:

اس کا جواب دو مقامات پر اور دو طرح سے ہے:

اوّلاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ کیمونسٹ، بُت پرست، وثنی ومشرک اور ایسے ہی دیگر بلادِ کُفر سے منگوائے جانے والے مذبوحہ جانوروں اور مرغیوں کا کھانا مباح (PERMISSIBLE) ہے۔ کیونکہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مسلمان قوم کے بارے میں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ عہدِ کُفر سے نکل کر نئے نئے ہی مسلمان ہوئے ہیں اور مسلمان کے ذبیحہ میں اصل حِلّت ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ذبح کرنے والے یا طریقۂ ذبح کے متعلق سوال نہیں کیا، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ یہ قوم مسلمان ہے۔ انہوں نے تو صرف تسمیہ (اللہ کا نام لینے اور بِسۡمِ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کہنے) کے متعلق پوچھا ہے۔ کیونکہ ان کے نئے نئے اسلام لانے کی بناء پر ممکن ہے کہ وہ اِس کا حکم نہ جانتے ہوں۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((سَمُّوا اللّٰهَ اَنۡتُمۡ وَكُلُوۡا)) ”تم خود اس پر اللہ کا نام لے لو اور کھاؤ۔“

اور اس بات کی دلیل امام مالک کی بیان کردہ وہ روایت ہے جو انکے مؤطّا میں ہے جسمیں یہ الفاظ بھی ہیں:

((وَذٰلِكَ فِیۡ اَوَائِلِ الۡاِسۡلَامِ)) ”یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے۔“

اور اس حدیث میں مذکور قوم مدینہ منوّرہ کے بادیہ نشینوں میں سے تھی۔

❸ علاّمہ باجی:

شارح مؤطّا علاّمہ باجی نے اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے نبی ﷺ کی مراد اس گوشت کو کھاتے وقت اللہ کا نام لینا ہو، کیونکہ اُن کے لیئے اب یہی چیز باقی رہ گئی تھی۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے کی ذمہ داری ان کی بجائے ذبح کرنے والوں کی تھی، کھانے والے اس کے مکلّف نہ تھے۔ اور اسے صحت پر محمول کیا جائے گا جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نبی ﷺ کی مراد یہ ہو کہ تم خود اب اس پر اللہ کا نام لے لو۔ اس طرح تمہارے لیئے اس گوشت کا کھانا مباح ہو جائے گا جس کے متعلق تم یہ نہیں جانتے کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ لیکن یہ صرف اس شکل میں ہے جب ذبح کرنے والا وہ شخص ہو جو اگر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ صحیح ہو۔ لہذا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے مجہول الحال ذابح کے ذبح کردہ جانور کی اباحت اور کافر ممالک سے مسلمانوں کی مارکیٹوں میں لائے جانے والے گوشت کی کیفیّتِ ذبح کے غیر مشروط ہونے پر استدلال کرنا غیر صحیح و غیر مسلّم ہے۔ اور اس حدیث میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

مجہول الحال کا حکم

ثانیاً: جس جانور کے ذبح کرنے والے اور کیفیّتِ ذبح کا علم نہ ہو اس کی درجِ ذیل شکلیں ہوں گی:

① اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو اس ذبیحہ کے مباح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں کیونکہ مسلمانوں کے ذبیحہ میں اصل حِلّت ہے۔

② جب یہ معلوم ہو جائے کی ذبح کرنے والا اہلِ کتاب میں سے ہے، اور اس نے جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا ہے تو یہ مسلمان کے ذبیحہ کی طرح کتاب وسنت اور اجماعِ امت کی

رُو سے حلال (LAWFUL) ہے۔اور کسی ایک بھی ایسے عالم شخص نے اس کی تحریم کا نہیں کہا کہ جس کا اختلاف معتدّ بہ ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾

''اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لیئے حلال ہے''۔

حضرت ابن عباس اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم اور عطاء، حسن بصری، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی اور مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ یہاں ''طعام'' سے مراد ان کے ذبائح (ذبح کردہ جانور) ہیں۔ اور اس امر پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ ان کے ذبائح مسلمانوں کے لیئے حلال ہیں، کیونکہ اہلِ کتاب بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ غیرُ اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا حرام ہے، اور وہ اپنے ذبائح پر اللہ کے نام کے سوا کوئی نام نہیں لیتے۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بعض ایسی بدعقیدگیوں (۱) کا شکار ہیں جن سے اللہ تعالیٰ پاک ومنزّہ ہے۔

① سنن سعید بن منصور میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((لَا تَاْكُلُوْا مِنَ الذَّبَائِحِ اِلَّا مَاذَبَحَ الْمُسْلِمُوْنَ وَاَهْلُ الْكِتَابِ))

''مسلمانوں اور اہلِ کتاب کے ذبیحوں کے علاوہ کسی کا گوشت نہ کھاؤ''۔

② حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

---

(۱) اہلِ کتاب کی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کے بارے میں بدعقیدگی یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عُزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنادیا ﴿قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:۳۰) ''اور یہودیوں نے کہا کہ عُزیز اللہ کا بیٹا ہے۔'' اور عیسائیوں نے اللہ، عیسی علیہ السلام اور مریم کی مثلّث بنائی اور اس تثلیث میں اللہ تعالیٰ کو تین میں سے تیسرا مانا ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾ (اَلْمَائدہ:۷۳) ''اوران لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔'' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ ﴿وَقَالَتِ النَّصَارٰى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ (التوبہ: ۳۰) ''اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔''
جبکہ اللہ ان سب سے پاک ومنزّہ ہے۔ (ابوعدنان)

((اِنَّ یَھُوْدِیّاً دَعَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی خُبْزِ شَعِیْرٍ وَاِھَالَۃٍ سَنْخَۃٍ)) (مسنداحمد)

''ایک یہودی نے رسول اُللہ ﷺ کو جَو کی روٹی اور چربی کے سالن کی دعوت دی۔''

③ مجمع الزوائد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے:

((اِنَّمَا اُحِلَّتْ ذَبَائِحُ الْیَھُوْدِوَالنَّصَارٰیٰ لِاَنَّھُمْ آمَنُوْا بِالتَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ))

''یہود ونصاریٰ کے ذبائح اس لیئے حلال ہیں کہ وہ تورات اورانجیل پر ایمان رکھتے تھے۔''

امام ہیثمی کا کہنا ہے کی یہ روایت طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کی ہے۔اس کی سند میں اسماعیل بن عمر بجلی ہے جسے امام ابن حبان وغیرہ نے ثقہ اورامام دارقطنی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔

④ اُس یہودی عورت کے واقعہ والی حدیث بھی ہے،جس نے بنی اکرم ﷺ کو بھُنی ہوئی بکری ہدیہ کے طور پر دی۔اورایسی ہی بعض دیگراحادیث بھی ہیں۔

مجہول الحال کے لیئے شرعی قواعد

جب احوال واخبار مجہول ومفقود ہوں اور پتہ نہ چل پائے کہ آیا ذبح کرنے والا ان لوگوں میں سے تھا جن کے ہاتھ کا ذبیحہ مباح وحلال ہے یا کوئی اور تھا؟ جیسا کہ مسلمانوں کی مارکیٹوں میں گوشت کی غالب واکثر مقدار بلادِ کُفر سے درآمد کی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں قواعدِ شرعیہ کا تقاضا تحریم ہے۔اوروہ قواعدِ شرعیہ درجِ ذیل ہیں:

① پہلا شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جب حلال چیز کا حرام چیز کے ساتھ اشتباہ ہو جائے تو ان دونوں میں سے ایک تو اصل کے اعتبار سے حرام (UNLAWFUL) ہوگی، اور دوسری تحریم کا عارضہ لاحق ہو جانے کی وجہ سے حرام ہو جائے گی:

(اِذَا اشْتَبِہَ مُبَاحٌ بِمُحَرَّمٍ حُرِّمَ اَحَدُھُمَا بِالْاَصَالَةِ وَالْاٰخَرُ بِعَارِضِ التَّحْرِیْمَ)

''جب کوئی مباح چیز کسی حرام سے متشابہ ہو جائے تو ان میں سے ایک (حرام) تو اصل کے اعتبار سے ہی حرام ہوگئی اور دوسری تحریم کا عارضہ لاحق ہو جانے کی وجہ سے حرام ہو جائے گی۔''

② دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی چیز میں اباحت وممانعت دونوں جمع ہو جائیں تو ممانعت کو مقدّم رکھا جائے گا کیونکہ یہ زیادہ قرینِ احتیاط اور شُبہ سے بعید تر ہے:

(اِذَا اجْتَمِعَ مُبِیْحٌ وَحَاظِرٌ قُدِّمَ الْحَاظِرُ لِاَنَّہٗ اَحْوَطُ وَاَبْعَدُ مِنَ الشُّبْھَةِ)

''جب مباح وممنوع کرنے والے دونوں اسباب جمع ہو جائیں تو ممنوع کرنے والا سبب مقدّم ہوگا کیونکہ اِسی میں زیادہ احتیاط ہے اور اِسی میں شبہہ سے زیادہ بچاؤ ہے۔''

مُشتبہہ سے اجتناب کے دلائل

مقاماتِ شُبہہ سے دور رہنے کے بہت سے دلائل ہیں جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے:

((اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَھُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِھَاتٌ لَا یَعْرِفُھُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقٰی الشُّبُھَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ

لِدِیْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ کَالرَّاعِیْ یَرْعیٰ حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِكُ اَنْ یَّقَعَ فِیْهِ))

(اَخْرَجَهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَغَیْرُهُمَا)

''حلال ظاہر ہے اور حرام بھی واضح ۔اور اِن دونوں کے درمیان مُشتبہہ امور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے ، جو شخص شُبہات سے بچا، اُس نے اپنے دین وآبرو کیلیئے آلودگی سے براءت پائی۔ اور جو شُبہات میں داخل ہوا وہ حرام میں داخل ہوگیا جیسے کوئی چرواہا کسی چراگاہ کے اردگرد مویشی چرا رہا ہو تو عین احتمال ہے کہ کسی بھی وقت مویشی چراگاہ میں گھس جائیں۔''

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں وہ کہتے ہیں:

((سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلیٰ مَا لَا یُرِیْبُكَ)) (رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَالتِّرْمَذِیُّ وَصَحَّحَهٗ)

''میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ'' مشکوک چیز کو ترک کر کے غیر مشکوک چیز کو اختیار کرو۔''

جن روایات کی بنا پر علماء کرام نے مُشتبہ چیز کی حُرمت پر استدلال کیا ہے، اُن میں سے ہی حضرت عدی رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی ہے جسمیں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ فَاذْکُرِاسْمَ اللّٰهِ، فَاِنْ اَمْسَكَ عَلَیْكَ فَاَدْرَکْتَهٗ حَیّاً فَاذْبَحْهُ، وَاِنْ اَدْرَکْتَهٗ قَدْ قُتِلَ وَلَمْ یَاْکُلْ مِنْهُ فَکُلْهُ، وَاِنْ وَجَدْتَّ مَعَ کَلْبِكَ کَلْباً غَیْرَهٗ وَقَدْ قُتِلَ فَلَا تَاْکُلْ فَاِنَّكَ لَاتَدْرِیْ اَیُّهُمَا قَتَلَهٗ ؟وَاِنْ رَمَیْتَ سَهْمَكَ

فَاذْكُرِاسْمَ اللّٰهِ، فَاِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْماً فَلَمْ تَجِدْ فِيْهِ اِلَّا اَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ اِنْ شِئْتَ وَاِنْ وَجَدْتَّهٗ غَرِيْقاً فِى الْمَاءِ فَلَا تَاْكُلْ)) (اَخْرَجَهُ الْبُخَارِىُّ وَمُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاؤدَ وَغَيْرُهُمْ)

''جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتّے کو شکار کے پیچھے چھوڑے تو تکبیر پڑھ لے۔ جب کتّا شکار کو پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اور شکار ابھی زندہ ہو تو اُسے ذبح کر لے اور اگر تمہارے پاس پہنچنے تک شکار بے جان ہو چکا ہو اور کتے نے اس میں سے کچھ کھایا نہ ہو تو اسے کھا لو اور اگر تو اپنے کتّے کے ساتھ کوئی دوسرا کتّا بھی دیکھ لے اور شکار بے جان ہو چکا ہو تو اسے مت کھاؤ کیونکہ تجھے معلوم نہیں کی ان دونوں میں سے اسے کس نے مارا ہے؟ اور اگر تو تیر مارے تو تکبیر پڑھ لے۔ اگر شکار ایک دن تجھ سے غائب رہا ہو اور (اگلے دن) ملنے پر تو اُس کے جسم میں اپنے تیر کے علاوہ کوئی نشان نہ پائے تب تُو چاہے تو اسے کھا لے اور اگر تجھے شکار پانی میں ڈوبا ہوا ملے تو اسے نہ کھا۔''

❶ امام نوویؒ :

امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے:

''اس حدیث میں ایک اہم ترین قاعدے کا بیان ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کی اگر عملِ ذبح جو جانور کو مباح بناتا ہے اُس میں شک واقع ہو گیا تو جانور کا گوشت حلال نہیں ہوا۔ کیونکہ جانور میں اصل حُرمت ہے اور اِس میں کوئی اختلاف نہیں ہے''۔(صحیح مسلم مع شرح النووی ج۲، ص ۱۴۶)

❷ علاّمہ ابن رجبؒ:

علاّمہ ابن رجبؒ نے جامع العلوم و الحِکم میں کہا ہے:

''جن چیزوں میں اصل ممانعت ہے مثلاً جماع اور جانوروں کا گوشت، وہ عملِ حِلّت ،ذبح ونکاح کا مکمل یقین ہوئے بغیر حلال نہیں ہوتیں۔اگر کسی چیز میں کسی دوسرے سبب کے ظہور سے شک وتردّد واقع ہو جائے تو وہ چیز اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے اور اسی پر اس کی بنیاد ہوگی ،جس میں اصل حرمت ہے وہ حرام ہی رہے گی۔اسی لیۓ نبی ﷺ نے صیّاد کو اُس شکار کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے جس میں وہ اپنے تیر کے علاوہ بھی کوئی نشان پائے یا اپنے کتّے کے ساتھ کوئی دوسرا کتّا دیکھ لے یا شکار اُسے پانی میں گرا ہوا ملے۔اور ممانعت کی علّت یہ بتائی کہ اُسے معلوم نہیں، آیا وہ جانور مباح کرنے والے سبب (اس کے اپنے تیر یا کتّے) سے مرا ہے یا کسی دوسرے سے؟

❸ امام خطابیؒ:

امام خطابی نے (معالم السُنن میں) کہا ہے:

''صیّاد کو پانی میں گرے ہوئے ملنے والے شکار کا گوشت کھانے سے اس لیۓ منع فرمایا کہ عین ممکن ہے وہ پانی میں غرق ہو گیا ہو۔اور اس کی ہلاکت کا سبب پانی بنا ہو نہ کہ وہ کتّا جو آلۂ ذبح ہے۔اور اُس میں اس کے اپنے تیر کے علاوہ بھی کوئی نشان پایا جائے تو وہ بھی اسی طرح ہے۔''

دراصل رخصتوں میں اُن شرائط کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا جن کی بدولت اباحت واقع ہوتی ہے۔جونہی اُن شرائط میں سے کسی چیز کی کمی واقع ہوئی معاملہ اصلی تحریم کی طرف پلٹ گیا۔یہ مسئلہ علم کا ایک بہت بڑا باب ہے۔

❹ صاحبِ بذل المجهود:

صاحبِ بذل المجهود نے کہا ہے:

''نبی ﷺ نے یہ دو شرطیں عائد فرمائیں:

① شکار پانی میں نہ پایا جائے، اور ② اس کے جسم پر صیّاد کے اپنے تیر کے علاوہ کوئی دوسرا نشان نہ ہو۔

کیونکہ اگر ان شرائط میں سے صرف ایک پائی جائے تو یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ موت واقعی تیر سے ہوئی بلکہ احتمال ہے کہ پانی سے ہوئی ہو یا کسی دوسرے صیّاد کے تیر سے واقع ہوئی ہو۔ اس طرح حلّت میں شک ہو گیا لہذا اس کا گوشت حلال نہیں ہے۔''

انہوں نے یہ بھی مزید لکھا ہے:

''یہ حدیث اُس شکار کردہ جانور کی حِلّت کے مسئلہ میں بہت بڑی بنیاد ہے جس میں دو ایسے اسباب پائے جائیں جن کی طرف موت کی نسبت ہوسکتی ہے۔ اُن دونوں میں سے ایک سبب ایسا ہے جو حِلّت کا فائدہ نہیں دیتا۔ جب ایسا ہو کہ جانور کی موت کی نسبت اُس کی طرف کرنے کا احتمال ہو جو سببِ حِلّت ہے اور اِس کا بھی احتمال ہو کہ نسبت اُس سبب کی طرف کرنا بھی ممکن ہو جو حِلّت کا فائدہ نہیں دیتا تو وہ جانور حلال نہیں بلکہ اس شکل میں حرمت غالب ہو جائیگی۔''

نبی ﷺ کا یہ فرمان: ''جب تمہارے تیر کا شکار پانی میں گرے اور ڈوب جائے پھر وہیں مرجائے تو اسے نہ کھاؤ۔'' (مسلم ج۲، ص۱۴۶) یہ اس لیئے ہے کہ یہاں موت کے دو سبب پائے گئے ہیں؛ ایک تیر اور دوسرا پانی، پانی میں گرنے سے واقع ہونے والی موت حِلّت کا فائدہ نہیں دیتی۔ گویا یہاں دو طرح کے سبب جمع ہو گئے۔ ایک حِلّت کا فائدہ دیتا ہے اور

دوسرا نہیں دیتا۔ لہٰذا اِحلّت وحُرمت میں شک پیدا ہو گیا تو حُرمت کو ترجیح دی جائے گی۔

گذشتہ سطور سے یہ واضح ہو گیا کہ شیخ ابن محمود کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ذکر کرنے کے بعد یہ کہنا کہ ''ذبیحہ پر تکبیر پڑھنا صرف مسلمانوں پر واجب ہے نہ کہ دوسروں پر بھی''۔ لایعنی بات ہے۔

مذکورہ ص ۸ پر ہی انھوں نے یہ بھی لکھا ہے:

''میرے خیال میں قرآنِ پاک کا اہلِ کتاب کے ذبائح کو بلاقید وشرط مطلقاً مباح قرار دینا، اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی کثیر تعداد ان کے ساتھ اختلاط اور میل جول کی آزمائش میں مبتلاء ہے اور انہیں ہر وقت و ہر جگہ ان کے ذبائح کی شدید ضرورت ہے۔ لہٰذا اللہ نے اُن کے ذبائح کا کھانا مباح قرار دے دیا جبکہ اُسے ان کے طریقۂ ذبح کا پورا علم ہے''۔

اُن کی یہ بات بھی اُن کے گذشتہ کلام ہی کی ایک شاخ ہے جو ذبح کے غیر مشروط ہونے کے متعلق ہے، جبکہ شرائطِ ذبح حلق ورَگ کاٹنا مسلمان اور اہلِ کتاب دونوں کے لیئے برابر ہے۔ اور یہ کہ ''اہلِ کتاب کا ذبیحہ مباح ہے انہوں نے چاہے کس طرح ذبح کیا ہو''۔ اس کی تردید گزر چکی ہے۔ ان کی اس بات پر کوئی قابلِ حُجّت دلیل نہیں اور نہ ہی انہوں نے علماء اسلام میں سے کسی کا کوئی قول نقل کیا ہے۔ وہ اپنے زعم کی تائید میں علماء اسلام کا کلام نقل کرتے بھی کہاں سے؟



مسلمان اور کتابی (اہلِ کتاب) کے لیئے شرائطِ ذبح

تمام علماء کرام اس بات پر متّفق ہیں کہ جو شرائطِ ذبح مسلمان کے لیئے ہیں، وہی کتابی کے لیئے بھی ہیں۔

❶ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ اور ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ کو جمع کرنے کے بعد لکھا ہے:

''کتاب وسنت کے قریب ترین ممانعت ہی ہے جس پر امام احمد بن حنبلؒ کا اکثر کلام دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ ہمارے متاخرین اصحاب میں سے ایک صاحب اس روایت کو بحالہٖ ذکر نہیں کرتے۔ اور یہ (ممانعت) اس لیئے ہے کہ ارشاداتِ الٰہی ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ اور ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ میں پایا جانے والا عموم، عمومِ محفوظ ہے، اس میں سے کوئی صورت مخصوص نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ﴾ ہے جس میں مباح کرنے والا عملِ ذبح شرط ہے۔ اگر کتابی مقررہ و مشروع جگہ کے علاوہ کہیں سے ذبح کرے تو اس کا ذبح کرنا جانور کو مباح نہیں کرے گا، کیونکہ کتابی سے بھی اصل غرض یہ ہے کہ اس کا ذبح بھی مسلمان کی طرح ہی ہو۔ اور مسلمان نے اگر غیرُ اللہ کے لیئے ذبح کیا یا غیرُ اللہ کے نام سے ذبح کیا تو وہ بھی مباح نہیں اور وہ ایسا کرنے سے کُفر بھی کرتا ہے، اور ایسے ہی ذِمّی ہے۔ کیونکہ ارشادِ الٰہی ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ ہردو (مسلم وکتابی) کے لیئے ایک جیسا ہے۔ اور کتابی اگرچہ اسے حلال سمجھتے ہیں مگر ہم اُسے حلال نہیں سمجھتے کیونکہ یہ تو ضروری نہیں

کہ وہ جسے حلال سمجھیں وہ ہمارے لیئے بھی حلال ہو۔

چونکہ یہاں ممانعت واباحت دونوں دلیلوں کا تعارض ہے، لہٰذا ممانعت کو مقدّم رکھنا اولیٰ ہے، کیونکہ غیرُ اللہ کے لیئے یا غیرُ اللہ کے نام سے ذبح کرنے کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ دینِ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کا اپنا ایجاد کردہ شرک ہے۔ گویا وہ اساس جس کی بناء پر اُن کے ذبائح حلال تھے یہاں وہی مفقود ہے۔ **وَاللّٰہُ اَعْلَمُ**

❷ امام ابن قدامہؒ:

امام ابن قدامہ نے کہا ہے: ''مسلمان اور کتابی مذکورہ امور شکار وذبح میں برابر ہیں۔''

اور ''مغنی المحتاج'' میں کہا ہے:

''ذبح کے چار ارکان ہیں جن میں سے پہلا ماکول اللحم جانور کو حلق ولَبہّ سے ذبح کرنا ہے اور دوسرا ذابح (ذبح کرنے والے) اور شکار کرنے والے دونوں میں یہ شرط ہے کہ اُن کی عورت کے ساتھ مسلمانوں کے لیئے اُس کے مسلمان یا کتابی ہونے کے لحاظ سے، محرّماتِ نکاح میں گزری شرط کے ساتھ نکاح صحیح ہو''۔

شیخ ابن محمود نے کتابی کے ذبائح کی عِلّتِ اباحت بیان کرتے ہوئے جو کہا ہے:

''مسلمانوں کے اہلِ کتاب سے بکثرت اختلاط کی بناء پر یہ اللہ کی رحمت ہے کیونکہ وہ ہر وقت و ہر جگہ اُن کے ذبائح کے محتاج ہیں''۔

اِس طرح انھوں نے مسلمانوں کے ان کے ساتھ بکثرت میل جول اور ہر جگہ و ہر وقت ان کے ذبائح کی احتیاج وضرورت کو اہلِ کتاب کے ذبائح کی اباحت کی عِلّت قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور میری معلومات کے مطابق آج تک کسی دوسرے مسلمان نے یہ عِلّت بیان نہیں کی۔ بلاشبہ مسلمانوں کا اختلاط بت پرست مشرکوں مثلاً مشرکین اور

اہلِ طائف وغیرہ کے ساتھ موجودہ مسلمانوں کے اہلِ کتاب سے میل جول کی نسبت کہیں زیادہ تھا مگراُن کے ذبائح تو مباح نہ ہوئے اور نہ ہی اہلِ علم میں سے کسی نے اس جانور کے مباح ہونے کا کہا ہے جسے کوئی وثنی بت پرست ذبح کرے۔

اہلِ علم نے اہلِ کتاب کے ذبائح کی اباحت کا سبب، اُن کے انبیاء کی طرف منسوب ہونے اورتورات وانجیل پرایمان رکھنے کوقرار دیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت گزری گئی ہے۔ وہ غیرُ اللہ کے لیئ ذبح کرنے کوحرام سمجھتے تھے لہٰذا ان کے ذبائح مباح کردیئے گئے، نہ کہ شیخ ابن محمود کے بقول: ''ان کا مسلمانوں سے بکثرت اختلاط اور مسلمانوں کو ہرجگہ و ہر وقت اُن کے ذبائح کی احتیاج باعثِ اباحت ہے۔''

اوران کا یہ کہنا:

''اللہ کے علم کے باوجود کہ وہ کس طرح ذبح کرتے تھے، اللہ نے انکا ذبیحہ حلال قرار دیا۔''

شیخ ابن محمود کی اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبح کرنے کا کوئی خاص طریقہ تھا جواللہ کے مباح کردہ طریقہ حلق ورَگ کاٹنے کے علاوہ تھا۔ یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے۔ انہوں نے اہلِ کتاب کے ذبح کرنے میں کوئی ایسی صفت، سَر پھوڑنا یا پیٹ پھاڑنا اوراس کا ماٗخذ ذکر کیوں نہیں کیا کہ ان کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا؟ حالانکہ اہلِ کتاب اور مسلمانوں میں یہی معروف ہے کہ وہ شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہیں جوحلق ورَگ کا کاٹنا ہے، جیسا کہ اُن کے اپنے قولِ سابق میں اشارہ موجود ہے کہ ''ذبح میں حلق ورَگ کاٹنا اسلام اورزمانۂ جاہلیّت میں ایک عادت بن چکا تھا''۔ انہوں نے کوئی ایک بھی ایسا واقعہ ذکر کیوں نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا کہ وہ اس عادت کوچھوڑ گئے تھے اور جانور کواس جگہ

کے علاوہ کہیں سے ذبح کرتے تھے؟ بلاشبہ ہر وہ دعویٰ جس پر کتاب وسنت، اجماعِ امت یا قیاسِ صحیح سے دلیل نہ دی گئی ہو وہ مدّعی کی طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے۔ اہلِ کتاب کا معروف طریقہ کے علاوہ کسی اور طرح سے ذبح کرنا شیخ ابن محمود سے دلیل کا طالب ہے اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ص۹ پر انھوں نے **المدوّنہ** سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''امام مالکؒ سے کنیسہ وغیرہ کے لیۓ ذبح کیۓ گیۓ جانور کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں، حرام نہیں کہتا''۔ اور فرمایا: ''اللہ نے ہمارے لیۓ ان کے ذبائح مباح کیۓ ہیں اور وہ اُن کے طریقۂ ذبح کو جاننے والا ہے''۔

جبکہ **المدوّنہ** (۳/۶۷) میں جو لکھا ہے، اُس کی نص یہ ہے:

''میں نے پوچھا کہ انہوں نے اپنی عیدوں اور کنیسوں کے لیۓ جو ذبح کیا ہو، اُس کے متعلق کیا رائے ہے؟ کیا وہ کھایا جائے گا؟ امام مالکؒ نے فرمایا: ''میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں حرام نہیں کہتا''۔ امام مالکؒ نے اس میں ﴿**اَوْ فِسْقاً اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ**﴾ کی تفسیر وتاویل کی۔ اور وہ اسے شدید مکروہ سمجھتے تھے مگر حرام نہیں کہتے تھے''۔

شیخ ابن محمود اور علمی امانت کی خلاف ورزی

شیخ ابن محمود نے یہ جملہ: ''اللہ نے ہمارے لیۓ ان کے ذبائح مباح کیۓ ہیں اور وہ ان کے طریقۂ ذبح کو جاننے والا ہے''۔ **المدوّنہ** میں امام مالکؒ کی طرف منسوب کیا ہے مگر ہمیں اس میں یہ کہیں نہیں ملا۔ علم کی امانت طالبِ علم پر یہ واجب کرتی ہے کہ وہ نقل میں امین ہو۔ **لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ**۔

یہاں ہم ایک اہم بات پر تنبیہہ کر دینا چاہتے ہیں کہ شیخ ابن محمود نے اپنی اس علمی بحث کی متقاضی کتاب میں مختلف فیہ مسائل میں مذاہبِ علماء کے نقل کرنے کا مکمل اہتمام نہیں کیا اور نہ ہی اپنے نزدیک راجح مسلک کی نشاندہی کی ہے بلکہ امام مالکؒ کے کلام سے صرف اپنی مؤیّدِ عبارت کا دُم بریدہ اور بے بال وپَر ٹکڑا نقل کیا ہے اور دیگر علماء کی آراء کو یوں گول کر گئے ہیں جیسے کہ یہ کوئی انتہائی معمولی سا مسئلہ ہو۔ اس لیئے ہمارا خیال ہے کہ اس مسئلے کی دوسری جانب کا بھی ذکر کر دیں جسے شیخ ابن محمود نظر انداز کر گئے ہیں۔

اہلِ کتاب اور حُرمتِ ذبیحہ

شیخ ابن محمود نے جس دوسری جانب کو نظر انداز کر دیا ہے اسکی تفصیل درج ذیل ہے:

جمہور ائمہ:

کوئی کتابی جب ذبیحہ پر اللہ کی بجائے مسیح یا عُزیر علیہما السلام یا کسی دوسرے کا نام لے تو جمہور علماء کے مذہب کی رُو سے وہ حرام ہے، اسے نہیں کھایا جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا قول ہے اور مالکی محقّقین کی ایک جماعت کا بھی حسبِ ارشادِ الٰہی: ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (۱) اور حسبِ حکمِ باری تعالیٰ: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّالَمْ يُذْكَرِاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ (۲) یہی قول ہے۔ اور بعض مالکی علماء کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ جب اہل کتاب ذبیحہ پر بطورِ تبرّک غیرُ اللہ مثلاً مسیح یا کنیسہ کا نام لیں تو وہ مکرو ہے نہ کہ حرام اور جب انہوں نے اپنے معبودوں کے لیئے ذبح کیا ہو جنہیں وہ اپنے معبودوں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور خود ان سے کوئی انتفاع نہیں کرتے وہ حرام ہے کیونکہ وہ ان کے ''**طعام**'' میں سے نہیں۔

(۱) ترجمہ: ''اور جس پر غیرُ اللہ کا نام لیا گیا ہو، اسے مت کھاؤ''۔ (الانعام: ۱۲۱)
(۲) ترجمہ: ''اور وہ بھی نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔'' (الانام: ۱۲۱)

مذکورہ سطور سے واضح ہوا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے نہ کہ معمولی جیسا کہ شیخ ابن محمود نے اپنی چابکدستی سے ظاہر کیا ہے۔ جبکہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ راجح مسلک وہی ہے جسے قوّی دلائل کی بناء پر جمہور علماء نے اختیار فرمایا ہے، اور جس پر امام ابنِ تیمیہؒ کی تعلیل بھی شرائطِ ذبح کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

❶ ملّا علی قاریؒ:

ملّا علی قاری کہتے ہیں: ''ہمارے علماء نے ذابح کی شرط، ارشادِ الٰہی: ﴿اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ﴾ کی بناء پر مسلمان ہونا یا فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ کی رُو سے کتابی ہونا لگائی ہے، اگرچہ اہلِ کتاب حربی (مسلمانوں سے برسرِ پیکار) ہی کیوں نہ ہوں۔ اور **طعام** سے مراد ان کے ذبح کردہ گوشت ہیں کیونکہ ذبح کیئے جانے والے گوشت کے سوا **مطلق طعام** تو کسی بھی کافر کا حلال ہے، اور یہ بھی شرط ہے کہ ذبح کرتے وقت کتابی غیرُ اللہ کا نام نہ لے۔ اگر اس نے مسیح یا عُزیر علیہما السلام کے نام سے ذبح کیا تو اس کا ذبیحہ ارشادِ الٰہی ﴿وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ کی رُو سے حلال نہیں ہوگا۔

❷ امام ابن کثیرؒ:

اہلِ کتاب کے ذبائح کی حکمتِ اباحت بیان کرتے ہوئے امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''وہ غیر اللہ کے لیئے ذبح کرنے کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے ذبائح پر اللہ کے سوا کسی کا نام نہیں لیتے، اگرچہ وہ اللہ کے بارے میں ایسی بدعقیدگی کا شکار ہیں جس سے وہ منزّہ اور پاک ہے۔ (۱)

وہ اپنے ذبائح اور قربانیوں پر اللہ کا نام لیتے ہیں اور اپنی عبادات خاص اسی کے لیئے کرتے ہیں۔ اسی لیئے ان کے علاوہ اہلِ شرک اور ان سے مشابہت رکھنے والوں کے

(۱) انکی بدعقیدگی کی مثالیں صفحہ ۲۹ پر گزر گئی ہیں۔ (ابوعدنان)

ذبائح حلال نہیں کیونکہ وہ اپنے ذبائح پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ وہ گوشت کے صحیح ذبح نہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ مُردہ جانور کا گوشت بھی کھا جاتے ہیں۔

③ علاّمہ ابن قیمؒ:

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے یا غیرُ اللہ کا نام لیا گیا ہو، اُس کے حرام ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے علاّمہ ابن قیم رقمطراز ہیں:

''وہ ذبیحہ جس پر بوقتِ ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے یا غیرُ اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ خَبث کا حامل ہوتا ہے اور اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے ہم پر خبائث حرام کیئے ہیں۔ موجبِ تحریم خَبث کبھی تو ظاہر ہوتا ہے اور کبھی مخفی۔ جو ظاہر ہوتا ہے اُس پر شارع علیہ السلام نے اس کے وصف کے علاوہ کوئی علامت نصب نہیں کی اور جو مخفی ہوتا ہے اس کی ایسی علامت بیان فرمادی ہے جو اس کے خَبث پر دلالت کرتی ہو۔ مردار میں خون کا اندر ہی جم جانا ظاہر سبب ہے اور مجوسی، مرتدّ، تارکِ تسمیہ اور جس نے غیرُ اللہ کے لیئے ذبح کیا، ان کا ذبیحہ ایسے خبث کا حامل ہوتا ہے جو موجبِ تحریم ہے اور اس حقیقت سے کہ: ''ذبیحہ پر اصنام واوثان، نجوم وکواکب اور جِنّ کا نام لینا باعثِ خبث اور اللہ وحدہٗ کا نام باعثِ طہارت ہے''۔ کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا، سوائے اس کے جو حقائقِ علم، دولتِ ایمان اور ذوقِ شریعت کے ادراک میں کم نصیب واقع ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ذبائح پر اللہ کا نام نہ لینے کو فِسق قرار دیا ہے۔ اور یہی خَبث ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا گوشت کو پاک وطیّب کر دینے اور ذابح و مذبوح سے شیطان کو دھتکار دینے کا ذریعہ ہے۔ بصورتِ دیگر جب اس کا نام نہ لیا جائے تو شیطان ذابح و مذبوح کو چمٹا رہتا ہے اور جانور میں خبث کا سبب بنتا ہے۔ شیطان جانور کی خون والی شریانوں میں یوں گردش کرتا ہے کہ خون اس کا مَرکب و

محمل (سواری) ہوتا ہے اور یہ اخبث الخبائث ہے۔ جب ذبح کرنے والا اللہ کا نام لے تو شیطان خون کے ساتھ ہی نکل جاتا ہے اور ذبیحہ پاک وطیّب ہو جاتا ہے۔ اور اگر اللہ کا نام نہ لے تو ذبیحہ سے خَبث نہیں نکلتا اور جب اللہ کے دشمن اور اوثان کا نام لیا جائے تو یہ ذبیحہ دوہرے خبث کا حامل ہو جاتا ہے۔''

ان دلائل سے واضح ہوا کہ جب اہلِ کتاب غیرُ اللہ کے لیئے، مسیح وعزیر علیھما السلام یا کنیسہ کے نام سے ذبح کریں تو وہ حرام مثل مُردار ہے، اس کا کھانا حلال نہیں جیسا کہ اس پر تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ اور امام مالکؒ سے جو(اَکْرَہُ وَلَااُحَرِّمُ)''میں مکروہ سمجھتا ہوں حرام نہیں کہتا''۔ نقل کیا گیا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ امام صاحب رحمہٗ اللہ کا اپنا فرمان ہے:

((کُلٌّ یُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ وَیُتْرَكُ اِلَّا صَاحِبَ هٰذَالْقَبْرِ یَعْنِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم))

''ہر شخص کی کوئی بات قبول کی جاسکتی ہے اور کوئی ترک، سوائے اس روضۂ اطہر اور مرقدِ مقدّس کے مکین رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔''

بایں ہمہ وہ اسے مکروہ۔ مکروہِ شدید۔ سمجھتے تھے تو انکی اس رائے کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

شیخ ابن محمود نے اپنے رسالہ کے ص ۹ پر امام ابن العربی مالکی کا یہ قول نقل کیا ہے:

''مجھ سے اُس نصرانی کے متعلق سوال کیا گیا جو مرغی کی گردن مروڑ کر الگ کرتا اور اسے پکالیتا ہے، کیا یہ جائز ہے کہ ہم اس کے ساتھ وہ گوشت کھائیں؟ میں نے کہا: ہاں کھاؤ، کیونکہ وہ ان کے احبار ورُہبان کا کھانا ہے، اگرچہ وہ ہمارے ہاں ذبح نہیں ہوتا''۔

اس میں شک نہیں کہ یہ نظریہ امام ابن العربی کی لغزشوں میں سے ہے۔ اُن سے یا کسی

دوسرے سے منقول یہ بات نامقبول و غیر مُسلّم ہے کہ نصرانی، یہودی یا کوئی مسلمان مرغی یا کسی دوسرے جانور کی گردن مروڑ کرا لگ کر دے، وہ ایسے ہی مر جائے تو وہ مباح وحلال ہوگی، بلکہ وہ تو مُردار شمار ہوگی۔امام ابن العربی نے اس پر کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی۔اگر جانور کو شرعی طریقہ چھوڑ کر کسی بھی طرح ذبح کیا جائے تو وہ اُسے مردار بنا دیتا ہے جس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

اور پھر شیخ ابن محمود کی وہ شرط کہاں گئی جو انہوں نے اپنے رسالہ کے مقدمہ میں ''فقہائے مذاہب کی حدود و قیود سے آزادی'' کے متعلق لگائی تھی؟ اور یہ کہ وہ صرف وہی کچھ ذکر کریں گے جس پر کتاب وسنت سے دلیل موجود ہوگی۔جس جانور کی گردن مروڑ کر الگ کر دی جائے اس کی اباحت کی دلیل کہاں ہے؟ مجھے تلاش وتتبّع کے باوجود مسلمانوں میں سے کوئی معتبر شخص ایسا نہیں ملا جس نے یہ بات کہی ہو، حتیٰ کی خود امام ابن العربی نے ہی محولہ بالا سطور کے بعد کہا ہے: ''اگر یہ کہا جائے کہ گلا گھونٹ کر یا سر پھوڑ کر بے جان کیئے جانے والے جانور جو ذبح بھی نہ کیئے گئے ہوں اور وہ ان کا گوشت بھی کھائیں تو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مردار ہے اور نصِ صریح کی رو سے حرام ہے، چاہے وہ اسے کھائیں مگر ہم نہیں کھائیں گے، جیسا کہ خنزیر ان کے لیئے حلال اور ان کا کھانا ہے لیکن ہمارے لیئے وہ حرام ہے۔'' یہاں امام ابن العربی نے نصرانی کے ہاتھوں گردن مروڑ کر ماری ہوئی مرغی کی اباحت کے خلاف کہا ہے، اور طالبِ حق کے لیئے یہ طے شدہ امر ہے کہ وہ صرف اُس بات کی اتّباع کرے جس پر کتابِ الٰہی اور سنتِ نبوی ﷺ سے دلیل موجود ہو، نہ کہ اُس بات کی جو امام ابن العربی یا کسی دوسرے شخص نے بلا دلیل کہی ہو۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

ص ۱۰ پر شیخ ابن محمود کا کہنا ہے:

"کیا یہود ونصاریٰ کا اپنے دین کو بدل دینا اُن کے ذبائح کے حکمِ اباحت میں تغیّر کا متقاضی ہے؟ آگے جا کر کہا ہے کہ: "اُن کے گوشتوں اور مرغیوں کا بلا قید وشرط کھانا جائز ہے، انہوں نے چاہے کسی بھی طریقہ سے انہیں ذبح کیا ہو"۔

اُن کے اس کلام کا دو طرح سے جائزہ لیتے ہیں:

اوّل:

کیا آج کے یہود ونصاریٰ کو اہلِ کتاب شمار کیا جائے گا یا ان کی موجودہ دینی حالت کو مدِّ نظر رکھا جائے گا؟

ہم نے اکثر یہ سنا ہے کی ان کی کثیر تعداد یہودیت ونصرانیت پر عمل پیرا نہیں بلکہ صرف نام کی حد تک ان کی طرف منسوب ہیں اور فی الواقع وہ "علمانی" ہیں جو کسی بھی دین کو نہیں مانتے۔ ان میں سے بعض لوگ "عقیدۂ ماسونیہ" (۱) اختیار کر چکے ہیں اور لوگوں کو بھی اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور بعض لوگ اشتراکیت (COMMUNISM) کے حلقہ بگوش ہو چکے ہیں۔ کیا یہ ان کے اہلِ کتاب ہونے کو متغیّر کر دینے کے اسباب نہیں؟

جیسا کہ ایک مسلمان جب اسلام کو چھوڑ کر بت پرست، بہائی یا کیمونسٹ ہو جائے اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور خلافِ حقیقت اپنی نسبت اسلام کی

---

(۱) یہ اسلام دشمن خفیہ یہودی تحریک اور صہیونی سازش "فری میسنری" ہے۔ اور عقائد کے اعتبار سے کافر ہے۔ تفصیل کے لیئے ہماری کتاب "انسانی تاریخ کی خطرناک خُفیہ ترین تحریک" کا مطالعہ کریں۔ (قمر)

طرف کرتا رہے تو کیا وہ مسلمان ہی ہوگا؟ بلا تردّد وہ مسلمان نہیں ہوگا۔اسی طرح وہ اہلِ کتاب جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ان کا اپنے دین کو ترک کرکے اشراکیت وغیرہ ادیانِ باطلہ کی طرف جُھک جانا انہیں اہلِ کتاب کے حکم سے خارج کر دیتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہٗ اللہ گذشتہ صفحات میں گزرے کلام کے بعد کہتے ہیں:

''آدمی کا کتابی یا غیر کتابی ہونا وہ حکم ہے جو اسے ذاتی طور پر فائدہ دیتا ہے نہ کہ نسبی طور پر لہذا ہر وہ شخص جو اہلِ کتاب کے دین کا پابند ہو وہ انہی میں سے ہے چاہے اس کے باپ دادا ان کے دین میں داخل ہوئے ہوں یا نہ، اور اس کا داخلہ نسخ وتبدیل کے بعد ہو یا اس سے پہلے۔اس کے متعلق امام احمدؒ سے نصِّ صریح موجود ہے، اگرچہ ان کے اصحابِ کرام میں اس بات پر اختلاف معروف ہے اور یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بلا نزاع ثابت ہے اور امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ اجماعِ قدیم ہے۔اسی طرح اگر کوئی کتابی اپنے دین سے نکل کر کسی دوسرے دین میں چلا جائے تو اس پر اسی نئے دین وثنی یا اشتراکی کا حکم عائد کیا جائے گا۔

دوم:

''اہلِ کتاب کے ذبح کردہ جانور اور مُرغی کا گوشت کھانا بلا شرط جائز ہے انہوں نے اسے چاہے کس کیفیت اور کس انداز سے ذبح کیا ہو''۔

انکا یہ دعویٰ بھی محلِ نظر ہے۔ایک مسلمان کا ذبیحہ جو کسی بھی غیر مسلم کے ذبیحہ سے بہتر، افضل، اکمل اور اعلیٰ ہے، جب وہ بھی شرعی طریقہ سے ذبح کیئے بغیر مباح نہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اہلِ کتاب کا وہ ذبیحہ جسے انہوں نے معروف ومثالی طریقہ کے علاوہ کسی بھی انداز سے ذبح کیا ہو، وہ تو حلال ہو مگر ذبیحۂ مسلم حلال نہ ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے اہلِ کتاب کے ذبائح سے گوشت کھایا اور مسلمانوں کو کھانے کی اجازت دی۔ یہ اس لیئے تھا کہ وہ بھی شرعی طریقہ سے حلق ورَگ کاٹ کر ذبح کرتے تھے اور غیرُ اللہ کے لیئے ذبح کرنے کو حرام جانتے تھے۔ جیسا کہ تفصیلاً ذکر گزرا ہے۔ بصورتِ دیگر اس کا حکم بھی منخنقہ (گلا گُھٹنے) یا موقوذہ (چوٹ سے مرنے) کا ہوگا۔

ببیں ایں تناقض را

ص ۱۱ پر لکھا ہے:

> ''ذبح کرنے کے لیئے چھوٹے اور مقدور علیہ جانوروں میں یہی عادت عام تھی کہ اُن کا حلق ورگ اور حلق کی دائیں بائیں رگیں کاٹی جاتی تھیں، اس بناء پر فقہاء نے اسے اصل قرار دے دیا اور مقصود بالذّات سمجھ لیا''۔

اس جملہ میں شیخ ابن محمود نے کسی جانور کے گوشت کی اباحت وحِلّت کے لیئے ذبح کے مشروط ہونے کا اعتراف کیا ہے جبکہ اس سے قبل ص ۷ پر انہوں نے یہ کہتے ہوئے ذبح کو غیر مشروط قرار دیا تھا کہ: ''ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے ثابت ہو کہ ذبح کا انحصار صرف حلق ورَگ کاٹنے پر ہے جیسا کہ فقہاء نے شرط لگائی ہے بلکہ یہ ایک عادت تھی جو زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں چل نکلی تھی''۔ مگر یہاں چھوٹے جانوروں کو ذبح کرنے کے لیئے ان کا حلق ورَگ اور دوسری رگیں کاٹنے کو شرط قرار دیا ہے۔ اس طرح یہاں وہ چیز ثابت کی جس کی پہلے نفی کی تھی، حالانکہ چھوٹے بڑے جانوروں میں کوئی فرق نہیں بلکہ ہر چھوٹے بڑے جانور میں ذبح کے لیئے حلق ورَگ کاٹنے یا لَبہّ میں نحر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں جیسا کہ بُدَیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اور بخاری کی وہ حدیث جو انہوں نے

اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے اور جیسا کہ ﴿اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ سے معلوم ہورہا ہے۔

غلط قیاس:

البتہ انہوں نے جو بِدک جانے والے جانور کی طرف اشارہ کیا ہے اُس کا حکم خاص ہے۔ اسے ذبح کرنے والا کسی بھی جگہ کا نشانہ لے کر قتل کرے تو وہ مباح ہے کیونکہ وہ غیر مقدور علیہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((اِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ اَوَابِدُ كَاَ وَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هَذَا فَافْعَلُوْابِهِ هَكَذَا)) (بخاری ۲/۸۲۷)

''یہ جانور بھی وحشی جانوروں کی طرح غضبناک ہوکر بِدک جاتے ہیں لہٰذا جو جانور ایسا کرے، اُس کے ساتھ یہ طریقہ استعمال کرو۔''

نبی ﷺ کا یہ کہنا کہ'' جو جانور ایسا کرے یعنی بِدک جائے اس کے ساتھ یہ طریقہ استعمال کرو''۔ یہ فرمان ایسے جانور کو اس طریقہ سے ذبح کرنے کے لیۓ مخصوص کرتا ہے جو بِدک کر بھاگ جائے اور اگر جانور ایسا نہ کرے تو پھر اُسے لَبہّ سے نحر کرنا حدیثِ بُدَیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ میں وارد فرمانِ نبوی ﷺ ((مَـــا اَنْهَـر الـدَّمَ)) کی رو سے مقرر و متعیّن ہے۔ اس طرح غیر مقدور علیہ کے ذبح کو مقدور علیہ کے ذبح پر قیاس کرنا'' قیاس مع الفارق'' ہے جیسا کہ اس پر مشارالیہ حدیث ، حدیثِ صید(شکار)، حدیثِ کلب (کتّا)اور غیر مقدور علیہ کے ذبح سے متعلقہ دیگر احادیث دلالت کرتی ہیں۔ اور شیخ ابن محمود۔ وَ فَّقَهُ اللّٰهُ ۔ غیر مقدور علیہ کا حکم مقدور علیہ کے ذبح کے لیۓ عطا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اجماعِ مسلمین نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے جیسا کہ احادیثِ کثیرہ سے واضح ہوتا ہے جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

اجماعِ امت کے خلاف:

اسی ص ۱۱ پر شیخ ابن محمود لکھتے ہیں:

''کیا ہم اہلِ کتاب کے ذبح کردہ گوشت کو بازوں اور کتّوں کے ذبح پر محمول نہ کرلیں؟''

اہلِ کتاب اگر بازوں اور کتّوں کی طرح ہی ذبح کریں تو وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ ذابح کیلئے بھی قصد ونیت ہے اور وہ جسے ذبح کرنا چاہتا ہے اس پر قادر ہے۔ مگر جسے باز اور کتّے ماردیں اس میں سے کھانا جائز نہیں جب تک کہ وہ سُدھائے ہوئے نہ ہوں اور انہیں چھوڑنے والے نے تکبیر نہ پڑھ لی ہو۔ جیسا کہ ﴿ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ ﴾ (۱) میں حکمِ الٰہی ہے۔ وہ شکاری کے تیر اور ذابح کی چُھری کے قائم مقام ہوں گے۔ کیونکہ کتّے یا باز کو چھوڑنے والا چھوڑتے وقت تکبیر پڑھ لیتا ہے اور پھر اسے چھوڑتا یا روکتا ہے۔ جسے وہ شکار کرلیں وہ سدھائے ہوئے جانوروں کا شکار ہے اور وہ جانور چھوڑنے والے کی طرف سے آلۂ ذبح کے قائم مقام ہوتے ہیں، اس لیۓ ان کے ذبح کو ذبائح اہلِ کتاب پر کس طرح قیاس کیا جاسکتا ہے؟ اور جہاں قیاس جائز ہے وہاں صحتِ قیاس کے لیۓ اصل وفرع کا مساوی ہونا شرط ہے۔ علاوہ ازیں اگر کوئی شخص شکار کے لیۓ باز کو چھوڑے، وہ اسے زخمی کردے مگر باز چھوڑنے والا شکار کے دم توڑنے سے پہلے پہنچ جائے، اِس کے باوجود وہ اُسے ذبح نہ کرے اور جانور خود بخود مرجائے تو وہ حلال نہیں اور یہی حال کتّے کے شکار کا ہے کہ اگر وہ جانور کو قتل نہ کرے اور شکاری ذبح پر قادر ہوجانے کے باوجود ذبح نہ کرے تو وہ حلال نہیں لہٰذا اہلِ کتاب کے ذبائح ان کے قائم مقام کیسے ہوں گے؟

---

(۱) ترجمہ: ''اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لیۓ ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جنہیں تم نے سدھا رکھا ہو۔''

ص۱۲پر وہ لکھتے ہیں:

''اہلِ کتاب کے ہاں ذبح کرنے کی مخصوص عادات تھیں اور ان کی عادات کا مسلمانوں کی عاداتِ ذبح کے موافق ہونا لازمی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبائح بلاقید وشرط حلال کیئے ہیں جبکہ وہ ان کے اندازِ ذبح کو جاننے والا ہے۔''

یہ بھی ان کے گذشتہ نظریہ کی طرح ہی ہے جس میں انہوں نے اہلِ کتاب بلکہ مسلمانوں تک کے ذبح کو غیر مشروط قرار دیا ہے اور ہم نے اس رائے کے فساد و بگاڑ کو بیان کر دیا ہے۔ انہوں نے اہلِ کتاب کی عاداتِ ذبح واضح کیوں نہیں کیں؟ اور وہ کیا انداز تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبح کرنے کے بارے میں جانتے ہوئے بھی ہمارے لیئے اُن کے ذبائح حلال کیئے ہیں؟ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اہلِ کتاب کا ذبح کرنا بھی مسلمانوں کی طرح ہی ہے اور ارشادِ الٰہی ﴿اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ﴾ ہر کسی کے لیئے عام ہے اور موقوذہ ومنخنقہ ہر کسی کے لیئے حرام ہیں۔

ص۱۵پر وہ لکھتے ہیں:

''بہرحال جب اللہ نے اہلِ کتاب کے ذبائح ہمارے لیئے بلاقید و شرط حلال کیئے ہیں تو ہمارے لیئے مباح ہے کہ ہم انہیں کھائیں انہوں نے چاہے کس طرح ذبح کیئے ہوں۔ اور یہ نہیں چاہیئے کہ ہم ان کے ذبائح کی کیفیّت کی تفتیش وتحقیق کرتے پھریں، یہاں تک کہ بالفرض انہوں نے مکروہ بلکہ حرام طریقہ سے بھی ذبح کیا ہو تو اُن کے کھانے پر ہم بے گناہ ہیں''۔

شیخ ابن محمود کے اس قول کے فساد و بگاڑ کا ذکر وہاں گزر گیا ہے جہاں انھوں نے کہا ہے:

''ذبائح اہلِ کتاب بلا قید وشرط مباح ہیں چاہے کسی طرح بھی وہ ذبح کیئے گئے ہوں اور بالفرض انہوں نے مکروہ یا حرام طریقہ سے ذبح کیا ہے تو بھی اس کے کھانے پر''وہ بے گناہ ہیں''۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ مسلمان کے ذبیحہ میں اصل حِلّت ہے۔اسی طرح جسے اہلِ کتاب نے ذبح کیا ہو اس میں بھی اُس وقت تک اصل حِلّت ہے جب تک کہ کسی تحریم کی متقاضی بات کا علم نہ ہو جائے اور جس کا ذبح کرنے والا مجہول ہو اور ذابح کا کچھ علم نہ ہو اس میں اصل تحریم ہے کیونکہ جماع اور جانوروں میں اصل حُرمت ہے اور جب اباحت وممانعت یکجا جمع ہو جائیں تو ممانعت کی جانب غالب ہوگی۔

جب یہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان اور کتابی نے غیر اسلامی طریقہ سے سر پھوڑ کر یا پیٹ پھاڑ کر یا اسکے علاوہ کسی طرح ذبح کیا ہے تو وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے۔شیخ ابن محمود نے اپنے رسالہ میں کئی اطلاقات قائم کیئے ہیں اور ہر اس گوشت کی اباحت کا فتویٰ دے دیا ہے جس کا ذبح کرنے والا مسلمان، کتابی یا علمانی و بے دین ہو یا چاہے وہ کسی بھی الحادی مذہب والا مثلاً کیمونسٹ و قادیانی ہو۔اس فتویٰ میں انہوں نے اجماعِ امت کی مخالفت کی ہے اور جو کچھ کہا ہے وہ کتاب وسنت،قولِ صحابی وتابعی یا کسی بھی معتبر صاحبِ علم سے مستند نہیں ہے۔(فَاللّٰهُ يُسَامِحُهُ وَيَغْفِرُلَنَا وَلَهُ)''اللہ انھیں معاف کرے، نیز ہماری اور انکی مغفرت فرمائے''۔

بوقتِ ذبح جانور پر احسان کا حکم:

ص ۱۶ا پر شیخ ابن محمود نے لکھا ہے:

''مجھے ایک فاضل شہزادے نے بتایا کہ انھوں نے سویٹزرلینڈ میں لوگوں کو گائے ذبح کرتے دیکھا ہے جبکہ انکے ساتھ کئی دوست بھی تھے۔ وہ بڑے بڑے بیلوں کو لاتے اور جس بیل کو ذبح کرنا ہوتا اسے باندھ دیتے۔ ایک آدمی لوہے کا کوڑا اس کے سر پر مارتا جس سے وہ غش کھا کر گر جاتا، پھر قصاب اسے نحر سے ذبح کرنے میں جلدی کرتا جس طرح کہ ہم ذبح کرتے ہیں۔ شیخ ابن محمود کہتے ہیں کہ کوڑے کی اس چوٹ سے وہ قتل نہیں کرنا چاہتے بلکہ جانور کو قوّتِ حرکت اور بھاگ جانے سے معذور کرکے اسے زندہ رکھتے ہوئے صرف ٹھہرانا و بے بس کرنا چاہتے ہیں''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ذبح کرنے والا اسے زندہ ہونے کی حالت میں ذبح کرلے تو اس کا کھانا مباح ہے لیکن بیل یا کسی دوسرے جانور کے سر پر لوہے کے کوڑے کی چوٹ مارنا ناجائز ہے۔ اور فضیلۃ الشیخ نے یہ واقعہ اس انداز کے لیئے اپنی رضامندی کے طور پر بیان کیا ہے، اور جانور کو عذاب دینے کے حکم پر تنبیہ نہیں کی۔ حالانکہ بیل کے سر پر چوٹ مار کر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((اِنَّ اللّٰہ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ))

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے۔''

اور احسان یہ ہے کہ جانور کو یہ بدترین عذاب نہ دیا جائے، بلکہ اسے چاہیئے کہ کسی

کوتعاون کرنے کا کہے اور یہ المناک چوٹ مارے بغیر اسے لَبہّ سے نحر کرلے۔ اور یہ بھی مترشّح ہوتا ہے کہ اُس آدمی کے پاس علم وفقہ کا حظِّ وافر موجود ہے جو کہ دوسرے کے پاس نہیں جو اُس بیل کے گوشت کو مباح کہتا ہے چاہے اسے کسی بھی طرح قتل کیا گیا ہو، مگر یہ آدمی جانور کے سر پر چوٹ پڑنے کے بعد اسے ذبح کرنے میں جلدی کرتا ہے تا کہ بیل اُس چوٹ سے مر نہ جائے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس چوٹ سے ہی مر گیا تو حلال نہ ہوگا۔ اور پھر شیخ ابن محمود اس بیل کے سر پر لوہے کے کوڑے کی چوٹ مار کر اسے غشی کی حالت میں ساکن کرکے ذبح کرنے کے عمل کی رضا کارانہ تائید کرتے ہوئے ص ۱۶ پر ہی کہتے ہیں:

''جیسا کہ قدیم تاریخ سے پرانے اطبّاء کے عملِ جراحی (OPERATION) کا انداز ثابت ہے کہ جب وہ کوئی بہت بڑا آپریشن کرنے اور کسی ہڈی یا عضو کو کاٹنے کا ارادہ کرتے تو اس مریض کو تکلیف سے بچانے کے لیئے اس کے شعور کو ختم کردینے کی خاطر اس کے سر پر لوہے کے کوڑے برسانا شروع کردیتے یہاں تک کہ وہ لاشعور ہوجائے پھر عملِ جراحی شروع کرتے۔ اور یہ ویسا ہی ہے جس طرح قصاب بیل کے سر پر ضرب لگاتا ہے یہاں تک کہ وہ جانور غش کھا کر مُردے کی طرح گر جائے''

یہ ایک واضح غلط بات ہے، کیونکہ مریض کو اس کے گوشت کے لیئے ذبح کرنے کا ارادہ تو نہیں ہوتا۔ لہٰذا جانور کو چوٹ مارے بغیر ذبح کرنا چاہیئے۔ حدیث میں ہے:

((اِنَّ اللّٰـهَ كَتَـبَ الْاِحْسَـانَ عَلٰـى كُلِّ شَـئٍ فَـاِذَاقَتَلْتُمْ

فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَۃَ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ وَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَہٗ))

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب کسی کو قتل کرو تو مقتول کو آسان طریقہ سے قتل کرو۔ اور جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اسے آرام دہ طریقہ سے ذبح کرو تمہیں چاہیئے کی چُھری کو تیز دھار بنا کر ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔''

غرض قضیۂ طب میں مریض کی زندگی اور عضوِ فاسد کی اصلاح مطلوب ہوتی ہے لہٰذا جانور اور مریض میں نمایاں فرق ہے۔

ص ۱۷ پر حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی متّفق علیہ حدیث اور بخاری شریف کی ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد شیخ ابن محمود لکھتے ہیں:

''اِن احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس گوشت کی اباحت کے سلسلہ میں وسعت و نرمی ملتی ہے جسے کتّے یا باز نے قتل کیا ہو جبکہ وہ جانور ذبح کے لیئے غیر مقدور علیہ ہو''۔

یہاں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو جانور غیر مقدور علیہ ہو، اُسے کتّے یا باز کے ذریعے شکار کر کے کھانا مباح ہے، مگر ص ۱۱ پر اس کے برعکس یہ کہا تھا کہ ''ہم اہلِ کتاب کے ذبیحہ کو بازوں اور کتّوں کے ذبیحہ کے قائم مقام کیوں نہ رکھ لیں؟'' گویا غیر مقدور علیہ جانور جسے شکاری کے سدھائے ہوئے کتّے اور باز کے ذریعے ذبح کیا جاتا ہے، اُسے وہاں انھوں نے مقدور علیہ جانور کے برابر کر دیا ہے۔

کیمونسٹ ممالک کے گوشت کا حکم

ص ۱۸ پر لکھا ہے:

''وہ گوشت اور مُرغیاں جو کیمونسٹ ممالک سے درآمد (IMPORT) کی جاتی ہیں ان کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ جب بھی گوشت و مرغی جیسی کوئی چیز کسی مجہول الحال ملک سے لائی گئی ہو تو ہمارے لیئے جائز ہے کہ اُس پر اللہ کا نام لیں اور کھا لیں۔ اور اصلِ اباحت پر اعتماد کرتے ہوئے اور اُن کے حدیثِ بخاری: ((سَمُّوْا اللّٰهَ اَنْتُمْ وَكُلُوْا)) کے عموم میں داخل ہونے کی بناء پر اُن کے متعلق کوئی سوال نہ کریں''۔

اُنکی یہ بات محلِّ نظر ہے۔ کیمونسٹ ممالک کا ذبح کردہ گوشت کھانا ہمارے لیئے جائز نہیں کیونکہ وہ کسی بھی دین پر نہیں ہوتے۔ جس طرح ان کی عورتوں سے شادی کرنا جائز نہیں، اُسی طرح ہی اُن کے ذبائح بھی ہیں۔ اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

شیخ ابن محمود نے اُن کے ذبح کردہ گوشت کے بارے میں سوائے اپنی ذاتی رائے کے کسی چیز پر اعتماد نہیں کیا۔ ان کا یہ کہنا کہ: ''اصل اباحت پر اعتماد کرتے ہوئے۔'' یہ اس طرح صحیح نہیں بلکہ اس میں اصل حُرمت ہے، جیسا کہ حافظ ابن رجب، امام ابن تیمیہ، علاّمہ ابن قیم، حافظ ابن حجر، امام نووی اور امام خطابی وغیرہ نے کہا ہے۔ ہاں اگر جانور کو مسلمانوں یا اہلِ کتاب نے ذبح کیا ہو تو اس شکل میں واقعی اصل اباحت ہی ہے لیکن ذبح سے پہلے یا ان کے علاوہ کسی اور کے ذبح کردہ میں اصل حرمت ہے جیسا کہ تفصیل گزر گئی ہے۔

اُن کا کیمونسٹوں وغیرہ کے ذبیحہ کی اباحت پر حدیثِ رسول ﷺ: ((**سَمُّوا اللّٰهَ أَنْتُمْ وَكُلُوْا**)) سے استدلال کرنا سراسر بے جا ہے۔ کیونکہ اُس حدیث میں جس گوشت کا ذکر ہے وہ ایسے بادیہ نشینوں کی طرف سے ہدیہ دیا گیا تھا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، تو نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ "تم خود اس پر اللہ کا نام لو اور کھاؤ"۔ کیونکہ گوشت کا ہدیہ دینے والے مسلمان قوم سے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذبح کے وقت ان کے **بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ** کہنے یا نہ کہنے کے بارے میں شکایت کرتے ہوئے کہا تھا:

"یا رسول اللہ ﷺ! یہ قوم ہمارے پاس گوشت لاتی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((**سَمُّوا اللّٰهَ أَنْتُمْ وَكُلُوْا**))" یعنی مسلمان کا ذبیحہ تو مباح ہے اگرچہ وہ نومسلم ہی کیوں نہ ہو اور بوقتِ ذبح جہالت کی بناء پر یا بھولے سے انہوں نے اللہ کا نام نہ لیا تو تم خود اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔ نہ کہ اُن غیر مسلم یا اہل کتاب میں سے ایسے لوگوں کا ذبیحہ جن کا ذبیحہ مباح نہیں لہٰذا شیخ ابن محمود کا کیمونسٹوں وغیرہ کے ذبیحہ کی اباحت کے لیئے اس حدیث سے استدلال کرنا بے محل ہے۔

یہ مسئلہ چونکہ نہایت اہم ہے، اس کے حل کی سخت ضرورت ہے اور مسلمان اس میں بکثرت مبتلا ہیں لہٰذا اس کی مزید وضاحت کے لیئے عرض ہے کہ جماع اور حیوانات میں اصل تحریم ہے اور اُس وقت تک جماع حلال نہیں جب تک کہ تمام ارکان وشروط پر مبنی صحیح و شرعی نکاح نہ ہو۔ اِسی طرح ہی جانوروں کا گوشت اُس وقت تک مباح نہیں جب تک کہ ذبح کے اہلِ لوگوں کے ہاتھوں اس کا ذبح ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مردار، خون، خنزیر کا گوشت (PORK)، غیرُ اللہ کے نام کیئے گیئے، گلا گھٹنے سے مرنے والے، چوٹ سے مرنے والے، بلندی سے گر کر مرنے والے، سینگ سے مرنے والے اور وحشی خوردہ جانوروں کا گوشت حرام کیا ہے، سوائے اُس کے

جسے تم نے ذبح کرلیا ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حیوان میں اصل تحریم ہے جب تک کہ اُسے مسلمان یا اہلِ کتاب نے حلق اور رگ کے ساتھ ساتھ بعض اہل علم کے نزدیک گلے کی دائیں بائیں رَگیں بھی کاٹ کر ذبح نہ کیا ہو۔

ڈبوں میں پیک ملنے والا گوشت

وہ گوشت جو ڈبوں میں پیک آتا ہے، اگر وہ بلاد اسلامیہ، بلادِ اہلِ کتاب یا اُن ملکوں سے امپورٹ کیا گیا ہے جہاں اہلِ کتاب کی کثرت ہے، اور ان کی عادت ہے کہ وہ شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہیں تو اُس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور اگر وہ گوشت ایسے ملکوں سے درآمد کیئے گئے ہوں جہاں عام رواج ہے یا جہاں کے اکثر لوگ گلا گُھونٹ کر، سَر پھوڑ کر یا بجلی کے جھٹکے (ELECTRIC SHOCK) کے ذریعے ذبح کرتے ہیں تو اُس کے حرام ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ یوں جس جانور کو غیر مسلم یا غیر اہلِ کتاب مثلاً وثنی وبُت پرست، مجوسی وآتش پرست، قادیانی یا مرزائی اور کیمونسٹ وغیرہ ذبح کریں، اُن کا ذبح کردہ گوشت مباح نہیں، کیونکہ کھانے کے لیئے حلال بنانے والے ذبح کی شرط یہ ہے کہ وہ صاحبِ عقل مسلمان یا کتابی کے ہاتھوں ہو، اور اس میں قصد وارادہ کا عمل دخل بھی ہو، ان کے علاوہ کسی دوسرے کا ذبح کردہ گوشت مباح و حلال نہیں ہے۔

جب وہ گوشت مجہول الحال ہوں، جہاں سے وہ گوشت آئے ہیں اُس ملک کی حالت کا یہ پتہ نہ ہو کہ آیا وہاں کے لوگ شرعی طریقہ سے جانور کو ذبح کرتے ہیں یا نہیں؟ اور ذبح کرنے والوں کے عقائد ونظریات معلوم نہ ہوں تو اُس ملک سے آنے والے گوشت

کے حرام ہونے میں بھی جانبِ حظر وممانعت کے غالب ہونے کی بناء پر کوئی شک نہیں کہ جس کے باسیوں کی عادتِ ذبح پردۂ اخفاء میں ہو۔ کیونکہ جب کسی چیز میں اباحت اور حظر وممانعت یکجا جمع ہو جائیں تو جانبِ حظر غالب ہوگی چاہے یہ صورت ذبائح میں ہو یا شکار میں، اسی طرح ہی نکاح کا معاملہ بھی ہے جیسا کہ بے شمار اہلِ علم نے کہا ہے جن میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، علاّمہ ابن قیم اور حافظ ابن رجب حنابلہ میں سے اور ایسے ہی حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام نووی وغیرہ ہیں۔ جنہوں نے صحیحین وغیرہ والی حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی سابقہ حدیث ((اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ وَذَکَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ فَکُلْ فَاِنْ وَجَدْتَّ مَعَهٗ کَلْباً آخَرَ فَلَا تَاْکُلْ)) سے استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب اس کے اپنے سدھائے ہوئے کتّے کے ساتھ دوسرا کتّا بھی پایا جائے تو جانبِ حظر کے غالب ہونے کے بناء پر اُسے کھایا نہیں جائے گا۔ کیونکہ اس شکار میں سببِ اباحت یعنی اس کا سدھایا ہوا کتّا اور باعثِ عدمِ اباحت یعنی دوسرے کتّے کی شراکت دونوں جمع ہو گئے ہیں لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے منع فرما دیا۔ ایسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((اِذَا اَصَبْتَهٗ بِسَهْمِكَ فَوَقَعَ فِی الْمَاءِ فَلَا تَاْکُلْ)) (متّفق علیه)

''جب تیرا تیر لگ جائے اور شکار پانی میں گر جائے تو اسے نہ کھا۔''

اور ترمذی میں ایک روایت ہے:

((اِذَا عَلِمْتَ اَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهٗ وَلَمْ تَرَ فِیْهِ اَثَرَ سَبُعٍ فَکُلْ))

''جب تجھے یقینی علم ہو کہ تیرے تیر نے شکار کو قتل کر دیا ہے اور تو اس میں کسی درندے کا نشان نہ پائے تو اسے کھا لے۔''

امام ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

❶ حافظِ ابنِ حجر عسقلانیؒ:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے شکار کے بارے میں لکھا ہے: ''تِیر انداز کے تیِر کے علاوہ اُس میں جو نشان پایا جاتا ہے وہ عام ہے کہ شاید کسی دوسرے تِیر انداز کے تِیر کا نشان ہو یا اسبابِ قتل میں سے کسی اور سبب کا نشان ہو۔ اس تردّد کی بناء پر اس کا کھانا حلال نہیں''۔

اور انہوں نے ((وَاِنْ وَقَعَ فِی الْمَاءِ فَلَا تَاْكُلْ)) کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اگر شکار پانی میں گر جائے تو اسے مت کھاؤ کیونکہ ایسی حالت میں یہ تردّد واقع ہو جاتا ہے کہ اسے تِیر نے قتل کیا ہے یا پانی میں غرق ہونے نے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کا تیر نشانے پر لگ گیا جس سے وہ بے جان ہو گیا اور تیر کے ساتھ قتل ہونے سے پہلے وہ پانی میں نہیں گرا تو اس کا کھانا حلال ہے۔''

❷ امام نوویؒ:

امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے:

''جب شکار پانی میں ڈوبا ہوا ملے تو وہ بِالاتفاق حرام ہے۔''

❸ امام رافعیؒ:

امام رافعیؒ نے تصریح فرمائی ہے:

''یہ اُس وقت تک ہے جب تک کہ شکار اس زخم سے حالتِ ذبح تک نہ پہنچ جائے اور اگر بِالفرض حلق کاٹنے سے وہاں تک پہنچا تو اس کا ذبح مکمل ہو گیا اور اس بات کی تائید صحیح مسلم کی یہ روایت بھی کرتی ہے:

((فَاِنَّكَ لَا تَدْرِیْ، اَلْمَاءُ قَتَلَهٗ اَوْ سَهْمُكَ؟))

''تو نہیں جانتا کہ اُسے پانی نے قتل کیا یا تیرے تِیر نے؟''

یہ دلیل ہے کہ جب اس بات کا یقینی پتہ چل جائے کہ وہ تیر سے ہی قتل ہوگیا ہے تو وہ حلال ہے۔(ملخّصاً از فتح الباری)

④ امام خطابیؒ:

امام خطابیؒ نے کہا ہے:

''شکار کے پانی میں پائے جانے کی شکل میں اُسے کھانے سے اِس بناء پر روکا گیا ہے کہ ممکن ہے پانی نے اسے ڈبولیا ہواور اس کی ہلاکت کا سبب پانی ہی ہو نہ کہ وہ تِیر جو آلۂ ذبح ہے، اور یہی حال اس صورت میں ہے جب اُس میں شکاری کے تِیر کے علاوہ کوئی نشان پایا گیا ہو''۔

دراصل رخصتوں میں اُن تمام شرائط کی پوری پوری رعایت رکھی گئی ہے جن کی بناء پر اباحت واقع ہوتی ہے۔ جونہی اُن میں سے کسی شرط کی کمی واقع ہو جائے معاملہ اصل ۔ تحریم۔ کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام:

گذشتہ کلام سے واضح ہوگیا کہ مذکورہ صفات والے ممالک سے امپورٹ کیئے جانے والے گوشت حرام ہیں اور قواعدِ شرع کے تقاضے اُن کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ وغیرہ والی حدیث میں ہے کہ جب سدھائے ہوئے کتّے کے ساتھ کوئی دوسرا کتّا بھی شامل ہو یا جیسے کوئی شکاری تِیر مارے اور شکار پانی میں گِر جائے تو اس بات کا احتمال ہے کہ اسے کسی دوسرے کتّے یا پانی نے ہلاک کیا ہو۔

اور جو ترمذی کی حدیث میں ہے:

((اِذَا عَلِمْتَ اَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهٗ وَلَمْ تَرَفِيْهِ اَثَرَالسَّبُعِ فَكُلْ))

''جب تجھے معلوم ہو جائے کہ شکار کو تیرے تیر نے قتل کر دیا ہے اور تو
اُس میں کسی درندے کا نشان نہ پائے تو کھا لے''۔

اس حدیث کا مفہوم اس بات پر دالالت کرتا ہے کہ اگر اس شکار میں کسی درندے کا نشان موجود ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ قارئینِ کرام اِس وضاحت سے بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ جب معاملہ دو چیزوں یعنی اباحت وممانعت کے درمیان متردّد ہو تو ممانعت کی جانب ہی غالب ہوگی۔ اور یہ تردّد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث ((اَنَّ قَوْماً حَدِیْثُوْاعَھْدٍبِالْاِسْلَامِ یَاْتُوْنَنَا بِاللُّحُوْمِ فَلَا نَدْرِیْ اَذَکَرُوْااسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ اَمْ لَا ؟فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ سَمُّوااللّٰہَ اَنْتُمْ وَکُلُوْا۔)) میں نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث مسلمان قوم کے بارے میں ہے۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ عہدِ کفر سے نکل کر نئے نئے ہی اسلام لائے تھے۔ اس کے برعکس جو گوشت بیرونی ممالک سے امپورٹ کیئے جاتے ہیں، اُن کا ذبح کرنے والا نہ تو مسلمان ہے نہ ہی کتابی بلکہ مجہول الحال ہے جیسا کہ سطورِ بالا میں مذکور ہے۔

اور ایسے ملک کا گوشت جہاں کے تمام لوگ یا اُن کی اکثریّت جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہوں اور وہ مسلمان یا کتابی ہوں تو ان کا ذبیحہ ہمارے لیئے حلال ہے اور اگر وہ غیر شرعی طریقہ مثلاً گلا گھونٹ کر، سر پھوڑ کر یا بجلی کے جھٹکے سے ذبح کرتے ہوں تو اُن کا ذبیحہ حرام ہے اور اگر معاملہ مجہول ہو، آپ کو معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کیسے ذبح کرتے ہیں؟ تو اُن کا ذبیحہ جانبِ حظر وممانعت کے غالب ہونے کی بناء پر حلال نہیں ہوگا۔ اور آج کل اکثر لوگ جو ذبح وغیر ذبح کی پرواہ کیئے بغیر تمام گوشت کھائے جا رہے ہیں انکے اس فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ **فَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ**

ایسے گوشت کے مُضِرّ اثرات

علماء کرام نے لکھا ہے کہ مُردہ جانور (جو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو) اسکا گوشت کھانے کے دینی اعتبار سے دل پر بڑے بُرے اثرات مرتّب ہوتے ہیں۔

❶ علاّمہ قاسمیؒ:

علاّمہ قاسمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

"مردار وہ ہے جسے فنائے حیات اور پژمردگیِ قوّت کی بناء پر موت طاری ہو۔ اور موت کے ساتھ فسادِ ترکیب و تعلّق، لذتِ اجزاء و اعضاء کے خاتمے بلکہ ان کے متعفّن ہونے اور روحِ حیات و طہارت کے فقدان کی بناء پر یہ گوشت جسمِ انسانی کے لیئے مُفسِد ترین ہے۔"

❷ علاّمہ مہائمیؒ:

علاّمہ مہائمی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حرام یعنی مُردار اور دیگر مذکورہ اقسام کا گوشت کھانا محبتِ الٰہی کو منقطع کر دیتا ہے۔ کیونکہ مردار میں سے جب اللہ کے تحقیقاً یا تقدیراً نام سے ذبح کیئے بغیر ہی اُس کی روح پرواز کر جائے تو اس میں خُبث پیدا ہو جاتا ہے اور جب اسے کھانے والوں کی ارواح کا خبیث چیز سے تعلق ہو جائے تو ان میں بھی خُبث سرایت کر جاتا ہے اور محبتِ الٰہی اُن سے منقطع ہو جاتی ہے۔

لیکن مُردہ مچھلی مباح ہے کیونکہ اسکا اصل ماءِ مطہّر یعنی پاک کرنے والا پانی ہے یوں جیسے نجاست اس پر مؤثر نہیں ہوتی ایسے ہی اس کی روح کا پرواز کر جانا بھی کوئی ایسا اثر نہیں چھوڑتا جیسا کہ دیگر میں ہوتا ہے۔ اور مکڑی (ٹڈی) چونکہ تولّد کے بغیر ہی وجود میں آتی ہے لہذا تمام کیڑے مکوڑوں کی طرح اس میں خبث نہیں ہوتا۔"

❸علاّمہ بُرہان الدین بقاعیؒ:

علاّمہ بُرہان الدین بقاعی نے اپنی تفسیر ''نظم الدّرر '' میں کہا ہے: ''مردار وہ ہے جس کی روح شرعی ذبح کے بغیر ہی پرواز کر جائے۔اور ہر وہ جانور جو طبعی موت مر جائے اس کا خون رگوں کے اندر نجس ہو جاتا ہے جو متعفّن ہو کر فاسد بن جاتا ہے۔اُس کا کھانا بدن کے لیئے ظاہری طور پر بھی نقصان دہ ہوتا ہے اور دینی اعتبار سے اُس کے جو مُضِرّ اثرات ہیں انہیں اہلِ بصیرت جانتے ہی ہیں۔

جو جانور اپنی موت آپ مرے اس کا گوشت اکثر حالات میں مُضِرِّ صحت ہوتا ہے کیونکہ لازمی طور پر وہ کسی مرض یا ضُعف سے مر گیا، یا پھر وہ جراثیم اس کی موت کا سبب بنے جنہیں آج کل مائیکروب (MICROBE: KIND OF BACTERIA) کا نام دیا جاتا ہے، وہ اس کے قوائے بدن میں مل گئے یا پھر اس جانور کے جسم میں کوئی زہریلا مادہ پیدا ہو گیا۔مرض کے جراثیم (مائیکروب) مردہ کے جسم میں بھی ایک مدت تک زندہ رہتے ہیں۔ویسے بھی طبائع سلیمہ اس سے کھچتی ،اس کی کراہت کی وجہ سے پرہیز کرتی اور اُسے ناپاک شمار کرتے ہوئے اس سے نفرت کرتی ہیں۔

ہمارے علماء کے ہاں یہ چیز مشہور ہے کہ مردار کے ضرر کا سبب اس کی جسمانی رطوبتوں کا احتباس (اندر ہی گُھٹ کر رہ جانا) اور خون کا اُس کی رگوں کے اندر احتقان (رگوں میں جم کر سوکھ جانا) ہے۔اور جو جانور بتوں وغیرہ کیلیئے ذبح لِغیرِ اللہ ہے، اُس کی ممانعت دینی طور پر عقیدۂ توحید کی حمایت کے لیئے ہے کیونکہ یہ مشرکانہ فعل ہے اور ہر وہ شخص جو اپنے ذبیحہ پر غیرُ اللہ کا نام لے وہ گویا اس چیز کی طرف تقرّبِ عبادت چاہتا ہے جس کے نام سے اس نے ذبح کیا ہے۔یہ غیرُ اللہ پر اعتماد اور افعالِ شرک میں سے ہے۔

وہ جانور جسے بت پرست، مرتدّ یا مجوسی وغیرہ ذبح کریں جن کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، اُس میں ظاہر ہے کہ ان کے ذبائح کی حرمت کی حکمت تعبّدی ہے جس کی ظاہری علّت اور وجہ کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں۔ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل و اتّباع کرے، چاہے اُن میں ممانعت کی کوئی حکمت ظاہر ہو یا نہ ہو کیونکہ اس عمل سے شریعت کا مقصود و مطلوب آزمائش ہے تاکہ ایسے امور پر عمل پیرا ہونے سے جن کی کوئی سمجھ نہ آرہی ہو، بندے کی بندگی اور غلامی ظاہر ہو۔ کیونکہ جو معقول و مفہوم وجوہ والے امور ہوتے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کے لیئے تو طبعِ انسانی بھی تعاون کرتی اور اس کی طرف دعوت دیتی ہے لہٰذا اس سے خلوصِ عبودیّت اور بندگی و غلامی ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ عبودیت کا ظہور صرف اس طرح ہوسکتا ہے کہ عبد کا عمل صرف معبود کی رضا کے لیئے ہو نہ کہ کسی دوسرے معنیٰ یا وجہ کے لیئے۔ اور یہ اظہارِ عبودیت صرف تعمیلِ ارشاد اور محض امتثالِ امر سے ہی ممکن ہے نہ کہ فقط مانوس و معقول کام ہونے سے جس کی طرف عقلِ انسانی خود بخود ہی مائل ہو جاتی ہے، اور اسے اُس پر عمل پیرا ہونے کے لیئے آمادہ و راغب کر دیتی ہے۔

اس سلسلہ میں عظیم محقّق علاّمہ ابن قیم کا کلام گزر چکا ہے کہ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے یا مسیح و عزیر علیہما السلام جیسی غیرُ اللہ ہستیوں کا نام لیا جائے یا ذبح کرنے والا مجوسی و مرتدّ وغیرہ ہو تو یہ سب امور ذبیحہ میں خبث کو جنم دیتے ہیں جبکہ اللہ نے خبائث ہم پر حرام کیئے ہیں اور موجبِ تحریم خبث کبھی ظاہر ہوتا ہے اور کبھی مخفی۔

محلِّ نظر استدلال:

شیخ ابن محمود نے اپنے رسالہ کے ص ۱۸ پر لکھا ہے:

”حضرت عُمر بن خطّاب اور حضرت عَمر و بن عاص رضی اللہ عنہما ایک حوض کے پاس پہنچے، اس کا مالک پاس ہی تھا، حضرت عَمر و رضی اللہ عنہ نے

پوچھا: اے صاحبِ حوض! کیا اس حوض سے کتّے اور درندے بھی پانی پیتے ہیں؟ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے صاحبِ حوض! ''ہمیں اس کی خبر نہ دینا۔ ہم کتّوں اور درندوں کے بعد پیتے ہیں اور وہ ہمارے بعد آ پیتے ہیں۔''

اس طرح حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے پانی کو اسی طہارت کی حالت پر قائم رکھا جیسا کہ وہ پہلے تھا۔

انہوں (شیخ ابن محمود) نے اس سے کیمونسٹوں وغیرہ کے ذبائح کی اباحت پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال محلِّ نظر ہے کیونکہ پانی میں اصل طہارت ہے اور حیوانات میں اصل حُرمت ہے جیسا کہ تفصیل گزر گئی ہے۔ پانی ذبح و تذکیہ کا محتاج نہیں بخلاف حیوانات کے۔ ان میں سے شرعی طریقہ کے ساتھ ذبح کیئے بغیر گوشت کھانا مباح نہیں اور ذابح کے لیئے ذبح کرنے کا اہل ہونا بھی ضروری ہے۔ اس طرح پانی کو اس کی اصل طہارت پر قائم رکھنے کے واقعہ سے ہر قسم کے ذبح کی اباحت پر استدلال کرنا بے محل ہے۔

ع آں چیزے دیگر است واِیں دیگرے

عام کفّار و مشرکین کا ذبیحہ؟:

ص ۱۹ پر ''کفّار و مشرکین کے ذبائح کا حکم'' کے عنوان سے لکھا ہے:

''یہ مسئلہ اُس جانور کی تحریم پر مبنی ہے جسے کافر و مشرک نے خود کھانے یا کسی کے اکرامِ تعظیم کے لیئے ذبح کیا ہو۔ کیا مسلمان کے لیئے اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ علماء اور مذاہبِ اربعہ کے آئمّہ کے نزدیک کافر و مشرک کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں چاہے اُس نے ذبیحہ پر اللہ کا نام ہی کیوں نہ لیا ہو۔ کیونکہ اس کے تسمیہ (بِسۡمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَكۡبَرُ کہنے) کو

بھی اُسی طرح ضائع سمجھا جائے گا جیسا کہ اُس کا عمل ضائع جاتا ہے۔ وہ ایسے ہی ہوگا جیسے اس پر اللہ کا نام لیا ہی نہیں گیا۔ مشرک کے ذبیحہ کا مباح نہ ہونا ایسی بات ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں رواج پا گئی تھی۔ اِس وقت مجھے ایسی کوئی سند یا نام یاد نہیں آرہا جس نے اس کی تحریم کے متعلق کچھ کہا ہو اور یہ بات اہلِ علم کو معلوم ہے کہ قولِ صحابی کے قابلِ قبول ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ نصِ صحیح کے مخالف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے بھی کسی بات پر نزاع ہونے کی شکل میں اسے اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جانا واجب کیا ہے نہ کہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے قول کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک اور خاص طور پر سورۃ المائدہ کی آیت میں محرّمات کا حصر واحاطہ کیا ہے جو نزول کے اعتبار سے قرآن کے آخر میں ہے۔ اس میں مُردار، خون، خنزیر، غیرُ اللہ کے نام ذبح کیئے گئے، بوقتِ ذبح غیرُ اللہ کا نام لیئے گئے اور تھانوں (مزاروں) پر ذبح کیئے گئے جانور کے گوشت کی تحریم تو مذکور ہے مگر اُس گوشت کی تحریم کا ذکر نہیں جو کافر یا مشرک نے ذبح کیا ہو ﴿وَمَاكَانَ رَبُّكَ نَسِيّاً﴾ ''اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔''

اس عبارت سے شیخ ابن محمود اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ غیر کتابی، کافر و مشرک سبھی کا ذبیحہ بلا تفریق حلال ہے چاہے وہ بت پرست ہو، کیمونسٹ ہو یا کوئی بھی ہو۔ اوراس آیتِ مائدہ سے استدلال کررہے ہیں جس میں ان اشیاء کا ذکر ہے جن کا کھانا حلال نہیں ہے۔ چنانچہ اِرشادِ الٰہی ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ الخ﴾
اور وہ لکھتے ہیں کہ یہاں ان کفّار و مشرکین کے ذبائح کی حرمت پر کوئی نص موجود نہیں ہے۔

حالانکہ خود ہی علماء اور مذاہبِ اربعہ سے ان ذبائح کی تحریم نقل بھی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ تحریم تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یونہی رواج پا گئی تھی۔

جب تمام علماء، مذاہبِ اربعہ کے آئمّہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تحریم کے قائل ہیں تو پھر ان ذبائح کی اباحت کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ اور تحریم کے قائلین نے ارشادِ الٰہی ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ کے مفہوم سے استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں صرف اہلِ کتاب کے ذبائح کی حِلّت کی تخصیص کی گئی ہے۔ اس آیت کا مفہوم اس بات پر دالّ ہے کہ اہلِ کتاب کے سوا کسی اور کا ذبیحہ ہمارے لیئے حلال نہیں اور کثیر اہلِ علم نے غیر کتابی اور غیر مسلم کے ذبائح کی حُرمت پر اجماعِ مسلمین نقل کیا ہے اور شاذ ہی کسی نے اختلاف کیا ہے۔

مجوسی کا ذبیحہ؟

❶ امام ابن قدامہ:

امام ابن قدامہ نے کہا ہے: ''تمام اہلِ علم کا مجوسی (MAGICIAN) کے شکار اور ذبیحہ کی تحریم پر اجماع ہے سوائے ایسی چیزوں (مچھلی وٹڈی) کے جن میں ذبح کرنا نہیں ہوتا۔''

❷ امام قرطبیؒ:

امام قرطبی نے کہا ہے: ''مجوسیوں (آتش و آفتاب پرستوں) کے بارے میں تمام علماء کا اجماع ہے کہ اُن کے ذبائح نہیں کھائے جائیں گے اور نہ ہی ان کی عورتوں سے شادی کی جائے گی کیونکہ علماء کے مشہور قول کے مطابق وہ اہلِ کتاب نہیں ہیں۔''

3 امام ابن کثیرؒ:

امام ابن کثیرؒ نے کہا ہے: ''مجوسیوں سے اگرچہ اہلِ کتاب کی طرح جزیہ لیا گیا ہے لیکن اُن کے ذبائح نہیں کھائے جائیں گے اور نہ ہی اُن کی عورتوں سے شادی کی جائے گی بخلاف ایک فقیہہ امام ابوثور کے جو اصحابِ امام شافعیؒ میں سے ہیں۔ انہوں نے جب یہ اختلاف کیا اور لوگوں میں مشہور ہوا تو فقہاء نے ان کی تردید کی، حتیٰ کے امام احمد نے تو یہاں تک کہہ دیا:

(اَبُوْثَوْرٍ کَاِسْمِهٖ یَعْنِیْ فِیْ هٰذِهٖ الْمَسْئَلَةِ۔)

''ابوثور اس مسئلہ میں اپنے نام ہی کی طرح (اسم با مسمّٰی یعنی بیل) ہی ہے۔''

4 علاّمہ ابراہیم حربیؒ:

علاّمہ ابراہیم حربی کا کہنا ہے: ''ابوثور نے اجماع کے خلاف بات کی ہے اور ہر وہ قول جس کی تائید میں کوئی دلیل نہ ہو، اُس کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

وَلَیْسَ کُلُّ خِلَافٍ جَآءَ مُعْتَبَراً
اِلَّا خِلَافاً لَهٗ حَظٌّ مِنَ النَّظَرِ

''ہر اختلاف قابلِ اعتبار نہیں ہوتا، سوائے اُس کے جو اپنے اندر فکر ونظر کے اطمینان کا سامان رکھتا ہو۔''

ایک متکلّم فیہ روایت:

نبی اکرم ﷺ سے ایک روایت ہے:

((سَنُّوْابِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْکِتَابِ))

''ان مجوسیوں کے ساتھ اہلِ کتاب کا سا سلوک ورویہ اختیار کرو۔''

اس روایت پر کئی طرح سے کلام کیا گیا ہے۔

اوّلاً: حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت ثابت ہی نہیں۔ بس وہی ثابت ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں سے جزیہ لیا۔

ثانیاً: اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے عموم کو اس آیت ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ کا مفہوم مخصوص کر دیتا ہے کہ اہلِ کتاب کے علاوہ باقی تمام اہلِ ادیان میں سے کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

ثالثاً: حدیث ((سَنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ)) سے مراد یہ ہے کہ جزیہ لینے میں اُن کے ساتھ اہلِ کتاب کا سا رویہ اپناؤ، اُن کے ذبائح کو حلال سمجھنے اور ان کی عورتوں سے شادی کرنے میں نہیں۔

اس پر سُنن کبریٰ بیہقی کی وہ روایت دلالت کرتی ہے جس میں ہے:

((كَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلٰى مَجُوْسِ هَجَرٍ يَعْرِضُ عَلَيْهِمُ الْاِسْلَامَ فَمَنْ اَسْلَمَ قُبِلَ مِنْهُ وَمَنْ اَبٰى ضُرِبَتْ عَلَيْهِ الْجِزْيَةُ عَلٰى اَنْ لَّا تُؤْكَلَ لَهُمْ ذَبِيْحَةٌ وَلَا تُنْكَحُ لَهُمْ اِمْرَأَةٌ))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسِ ہجر کی طرف مکتوبِ گرامی بھیجا جس میں انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اُن میں سے جو اسلام لایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کیا اور جس نے انکار کیا اُس پر اِس شرط کے ساتھ جزیہ عائد کر دیا گیا کہ اُن کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا اور نہ ان کی عورتوں سے شادی کی جائے گی۔"

امام بیہقی کہتے ہیں: "یہ حدیث تو مُرسل ہے، لیکن اس مسئلے پر مسلمانوں کی اکثریّت کا اجماع اس روایت کی تائید و تاکید کرتا ہے۔"

❺ امام ابن تیمیہؒ:

امام ابن تیمیّہ فرماتے ہیں: ''مجوسیوں کے متعلق کلام دو بنیادوں پر مبنی ہے'':

① ان میں ایک یہ ہے کہ مجوسیوں کے ذبائح حلال نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا۔اوراس کی دلیل کئی وجوہ سے ہے:

پہلی دلیل:

یہ کہا جائے گا کہ مجوسی اہلِ کتاب میں سے نہیں اور جو اہلِ کتاب میں سے نہ ہوں ان کا ذبیحہ حلال نہیں، نہ ہی ان کی عورتیں۔ پہلے مقدمہ (مجوسیوں کا اہلِ کتاب نہ ہونا) میں شاذ ہی نزاع ہے اوراس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَا اُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلٰى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِيْنَ ٥﴾

(سورة الانعام:١٥٥۔١٥٦)

''ہم نے یہ کتابِ مبارک نازل کی ہے۔اس کی اِتّباع کرو اوراللہ سے ڈروتا کہ تم رحم کیئے جاؤ۔تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے دو قوموں پر کتابیں اتاری گئی تھیں اگر چہ ہم اُن کے پڑھنے سے غافل ہیں۔''

ظاہر ہوا کہ قرآن ایسا کہنے کی کراہت، ممانعت اور مدافعت کرنے کے لیئے اتارا گیا ہے۔ اگر دو جماعتوں (یہود ونصاریٰ) سے زیادہ پر کتاب اتاری گئی ہوتی تو یہ ارشادِ الٰہی (نَعُوْذُ بِاللّٰه) جھوٹا ثابت ہوتا ہے اوراس کی ممانعت کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالصَّابِئِیۡنَ وَالنَّصَارٰی وَالۡمَجُوۡسَ وَالَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ یَفۡصِلُ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ﴾ (سورة الحج:١٧)

''بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور بے دین ونصاریٰ و مجوس اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اِنکے درمیان فرق کردے گا۔''

اس میں اللہ تعالیٰ نے چھ قوموں کا ذکر کیا ہے۔اور جہاں اُن قوموں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک خوش بخت قوم بھی ہے اُن دونوں جگہوں پر یوں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصَارٰی وَالصَّابِئِیۡنَ مَنۡ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً﴾

(سورة البقرة:٦٢،المائده:٦٩)

''بلا شُبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی ونصرانی ہوئے اور صابیوں سے جو اللہ اور روزِ جزاء پر ایمان لایا اور نیک عمل کیا۔''

اِن دونوں جگہوں میں ہی مجوسیوں اور مشرکوں کا ذکر نہیں کیا۔اگر ان دونوں ملّتوں میں سے بھی کسی ملّت کا صابیوں، یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح آخرت میں خوش بختی کا کوئی شائبہ ہوتا تو اس کا بھی اللہ نے ذکر کردیا ہوتا۔ان کی بھی کوئی کتاب ہوتی تو نسخ وتبدیل سے پہلے وہ ہدایت پر ہوتے اور اپنی شریعت پر عمل کرنے کی بدولت وہ بھی جنت میں داخل ہوتے جیسا کہ یہود ونصاریٰ نسخ وتبدیل سے پہلے تھے۔

جب مجوسیوں کا ان ملّتوں میں ذکر ہی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ انہیں کوئی کتاب نہیں ملی بلکہ صابیوں کا ذکر بھی یوں ہی ہے کیونکہ ان کی بھی کوئی کتاب نہیں سوائے اس کے کہ وہ دونوں کتابوں والی قوموں میں سے کسی کے دین میں داخل ہوں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مجوسی تو کتاب سے ان صابیوں کی نسبت بھی بہت دور ہیں۔

تیسری دلیل: مسند احمد و ترمذی وغیرہ کُتبِ حدیث، کُتبِ تفسیر اور کُتبِ مغازی میں ایک مشہور حدیث ہے کہ اہلِ فارس و روم میں جنگ ہوئی، جس میں اہلِ فارس کو غلبہ ملا تو مشرکین اس بات سے بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ (اہلِ فارس مجوسی) اہلِ کتاب نہ ہونے کی بناء پر انہی کی جنس و قبیل سے تھے۔ اور اہلِ روم کی فتح و نصرت کے متعلق اللہ کی طرف سے صحابۂ رسول ﷺ کو خوش خبری دی گئی کیونکہ نصاریٰ (اہلِ روم) اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے اُن کے قریب تر تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۝ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ۝ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ﴾ (سورة الروم:١۔٤)

”الف لام میم، قریبی علاقے (شام) میں رومی مغلوب ہوگئے اور اس مغلوبیّت کے جلد بعد چند ہی سالوں میں وہ غالب ہوجائیں گے۔“

یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مجوسیوں کی کوئی کتاب نہ تھی۔

چوتھی دلیل: تابعین میں سے حضرت حسن بن محمد بن حنفیہ وغیرہ سے مروی حدیث میں ہے:

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَخَذَ الْجِزْیَةَ مِنَ الْمَجُوْسِ وَقَالَ: سَنُّوْابِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ غَیْرَنَاكِحِیْ نِسَآئِهِمْ وَلَا آكِلِیْ ذَبَائِحِهِمْ))

"نبی اکرم ﷺ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا اور فرمایا: ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے اور ان کے ذبائح کھانے کے سوا ان کے ساتھ اہلِ کتاب کا سا رویہ اختیار کرو۔"

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اس کی موافقت موجود ہے اور اختلاف کسی سے بھی ثابت نہیں۔ اور اس مُرسل پر تمام اہلِ علم نے عمل کیا ہے۔

علماء کے ایک قول کی رو سے مُرسل حدیث حُجّت ہوتی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت میں ہے۔ دوسری روایت میں وہ (امام احمد) کہتے ہیں کہ مُرسل اُس وقت حُجّت ہے جب جمہور اہلِ علم کا قول اور قرآن کا ظاہر اس کے معاون ہوں یا کسی دوسری وجہ سے مُرسل ہو۔ اور یہی امام شافعی کا بھی قول ہے۔ ایسی مُرسل حدیث باتفاقِ علماء حُجّت ہوتی ہے۔ اور اس مسئلہ میں یہ مُرسل نصّ ہے۔

ایک شُبہ:

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"اِن مجوسیوں کی بھی کتاب تھی مگر وہ اٹھالی گئی"۔

اس کا ازالہ:

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اگر اسے صحیح تسلیم کر ہی لیا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے پاس کتاب تھی مگر وہ اٹھا لی گئی نہ کہ اس وقت تک اُن کے پاس موجود ہے۔ اس طرح یہ صحیح نہیں ہوگا کہ وہ لفظ "اہلِ کتاب" میں داخل سمجھے جائیں جبکہ اُن کے پاس مبدّل، غیر مبدّل، منسوخ، غیر منسوخ کوئی بھی کتاب موجود نہیں ہے۔

اُن کے پاس کتاب تھی جو اٹھالی گئی تو اب ان کے پاس شُبہ ٔ کتاب بچ گیا۔اور یہ مقدار جزیئے کے عوض صرف ان کے خون سے مسلمانوں کو روکنے میں مُؤثّر ہے جبکہ جزیہ کے معاملہ میں انہیں اہلِ کتاب کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے مگر عورتوں اور ذبائح کی حِلّت صرف اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اور نبی ﷺ سے جو ((سَنُّوْابِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ)) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ اہلِ کتاب میں سے نہیں بلکہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ خاص طور پر جزیہ لینے کے معاملے میں اُن کے ساتھ اہلِ کتاب کا سا سلوک اپناؤ جیسا کہ صحابہ کرام ﷺ نے اختیار فرمایااور وہ اِن الفاظ سے اِس حکم کے علاوہ کچھ نہ سمجھے۔اور تعبّدی طور پر ((غَيْرَنَاكِحِيْ نِسَآئِهِمْ وَلَا آكِلِيْ ذَبَائِحِهِمْ)) کے الفاظ بھی روایت کیئے گئے ہیں۔

سابقہ کلام سے یہ ثابت ہوا کہ تمام علماء کرام کے نزدیک مجوسی اور اُن کے مشابہ وثنی ومشرک جو اہلِ کتاب میں سے نہیں ہیں، اُن لوگوں کے ذبائح حرام ہیں۔صرف ایک امام ابوثور ہیں جنہوں نے مجوسی کے ذبائح کی اباحت کا کہا ہے لیکن اس پر اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔جبکہ غیر مسلم اور غیر کتابی کے ذبائح کی تحریم کے متعلق تو نص صریح موجود ہے۔امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

((نَهٰى عَنْ ذَبِيْحَةِ الْمَجُوْسِ وَصَيْدِكَلْبِهٖ وَطَائِرِهٖ))

’’نبی ﷺ نے مجوسی کے ذبیحہ،اس کے کتّے اور پرندے(باز) کے شکار کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔‘‘

مصنّف عبدالرزاق میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی ان الفاظ میں روایت ہے:

((لَاتَاْكُلْ صَيْدَ كَلْبِ الْمَجُوْسِيِّ وَلَا مَااَصَابَ سَهْمُهٗ))

’’مجوسی کے کتّے اور اس کے تیر کے شکار کا گوشت نہ کھاؤ۔‘‘

امام عبدالرّزاق نے قیس بن سکن سے بھی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اِنَّکُمْ نَزَلْتُمْ اَرضاً لَایَغْصِبُ بِھَا الْمُسْلِمُوْنَ،اِنَّمَاھُوَ النَّبَطُ اَوْقَالَ النَّبِیْطُ وَفَارِسٌ فَاِذَاشْتَرَیْتُمْ لَحماً فَاسْئَلُوْا، فَاِنْ کَانَ ذَبِیْحَۃُ یَھُوْدِیٍّ اَوْ نَصْرَانِیٍّ فَکُلُوْا،فَاِنَّ طَعَامَھُمْ حِلٌّ لَّکُمْ))

"تم ایسی زمین پر اُترے ہو جو مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں بلکہ یہ نبطی ۔ یا نبیطی کہا۔ اور قومِ فارس ہیں۔ لہٰذا جب بھی تم گوشت خریدو تو پوچھ لیا کرو، اگر یہودی یا نصرانی کا ذبیحہ ہو تو کھالو کیونکہ ان کا ذبیحہ تمہارے لیئے حلال ہے۔"

اور حضرت قتادہؒ نے کہا ہے:

(لَابَاْسَ بِاَکْلِ طَعَامِ الْمَجُوْسِیِّ مَاخَلَا ذَبِیْحَتِہٖ)

"مجوسی کے ذبح کردہ گوشت کے سوا ان کا دوسرا کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

شیخ ابن محمود نے اسی ص ۱۹ پر لکھا ہے:

"بہرحال میں اس سلسلۂ تحریم میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور اَتباعِ صحابہ (تابعین رحمہم اللہ) کے ساتھ ہوں جس میں انہوں نے مشرک وثنی کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ اُن سے مشہور ہے"۔

یہاں اپنے ہی اُس قول کی مخالفت کی ہے جو رسالہ کے مقدمہ میں ہے جس میں کیمونسٹوں کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے اور حرام اشیاء کا حصر واحاطہ کرتے ہوئے آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ﴾ کے تحت کہا ہے: "کافر کا ذبیحہ مطلقاً اس میں نہیں آتا"۔

لہٰذا چند سطروں کے بعد یہ کہا ہے:

''کتاب وسنت سے دلائل کی تلاش وتتّبع کے باوجود مجھے ایسی کوئی قابلِ اعتماد بنیاد نہیں مل سکی جس کی رو سے کافر کے ذبیحہ کی تحریم ثابت ہو''۔

حالانکہ ہم نے ارشادِ ربّانی ﴿وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَّکُمْ﴾ کے مفہوم سے اس کی دلیل بیان کی ہے اور اس کے متعلق اہلِ علم کا اجماع اور اس پر دلالت کرنے والے آثار بھی ذکر کردیئے ہیں۔

ایک باطل استدلال:

ص۲۰ پر سورۃ الانعام کی یہ آیت لکھی ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّماً عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً اَوْدَماً مَّسْفُوْحاً اَوْلَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّہٗ رِجْسٌ اَوْفِسْقاً اُہِلَّ لِغَیْرِاللّٰہِ بِہٖ﴾ (سورۃ الانعام:۱۴۶)

''فرمادیجیئے کہ جو کچھ مجھ پر وحی ہوا ہے اس میں سے مَیں کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوائے مردار، دمِ مسفوح اور لحمِ خنزیر کے۔ بے شک یہ ناپاک ہے، یا پھر فِسق ہے وہ جو غیرُ اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو''

اس آیت کو نقل کرنے کے بعد شیخ ابن محمود کہتے ہیں:

''یہ آیت مذکورہ اشیاء کی تحریم پر محیط ہے۔ ان کے علاوہ کسی چیز کو حرام قرار دینا محتاج دلیل ہے''

یہ اُن کا اس آیت سے کفّار ومشرکین کے ذبائح کی اباحت پر استدلال ہے جو کہ باطل ہے۔ یہ آیت مکّی ہے۔ اس کے بعد کئی آیات نازل ہوئیں جو غیر اہلِ کتاب کے ذبائح کی تحریم بیان کرتی ہیں۔ مثلاً ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾

''اوراہلِ کتاب کا طعام (کھانا) تمہارے لیئے حلال ہے۔''

یہ آیت اہلِ کتاب کے ذبائح کی اباحت پر دلالت کرتی ہے۔اسی سے ان کے علاوہ دیگر لوگوں کے ذبائح کی حِلّت کی نفی ثابت ہوتی ہے ورنہ پھر اس آیت میں اہلِ کتاب کی تخصیص کا کوئی معنیٰ ہی نہ ہوگا۔

ایسے ہی بعض جانوروں کی تحریم کے متعلق صحیح وثابت احادیث اُن پر مستزاد ہیں جن پر آیۃ الانعام دلالت کرتی ہے۔اُس آیت میں اُن چیزوں کا ذکر ہے جو اُس کے نزول کے وقت حرام ہوئیں اور آئندہ حرام کی جانے والی اشیاء کی نفی نہیں ہے، لہٰذا بعد میں حرام ہونے والی اشیاء اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اِس آیت کے نزول کے وقت صرف یہ چیزیں ہی حرام کی گئیں اور تحریم کا سلسلہ آہستہ آہستہ چلتا رہا۔رسولُ اللہ ﷺ کی طرف سے پالتو گدھوں، کُچلیوں والے درندوں اور پنجہ مار کر کھانے والے پرندوں کی حُرمت پر نصّ موجود ہے۔اور ایسے ہی کئی دیگر جانوروں کے متعلق صحیح احادیث ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ میں جو وصف بیان کیا گیا ہے یوں تو وہ ہر حرام چیز کو شامل ہے کہ بلاشبہ تمام حرام اشیاء نجس وخبیث ہیں لیکن یہ (خنزیر) اَخبثُ الخبائث ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں پر اس لیئے حرام قرار دیا ہے تاکہ وہ تکریم وشرف کے لیئے مُضِرّ ونازیبا اور نجس وخبیث اشیاء سے بچ جائیں۔

حرام کی گئی نجس اشیاء کی تفاصیل کا حصول سنّت (حدیثِ رسول ﷺ) سے ہوگا کیونکہ وہ قرآن کی تفسیر کرتی اور اس کے مقصود کو بیان کرتی ہے۔

وَهَذَا آخِرُ مَاتَيَسَّرَ جَمْعُهٗ
وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَ الْهَادِيُّ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِيْلِ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَآخِراً
وَصَلّٰی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلیٰ رَسُوْلِهٖ وَسَلَّمَ

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین
ترجمان سپریم کورٹ، الخبر ۔۳۱۹۵۲
وداعیہ متعاون مراکزِ دعوت وارشاد الخبر ،
الدمام، الظہران (سعودی عرب)